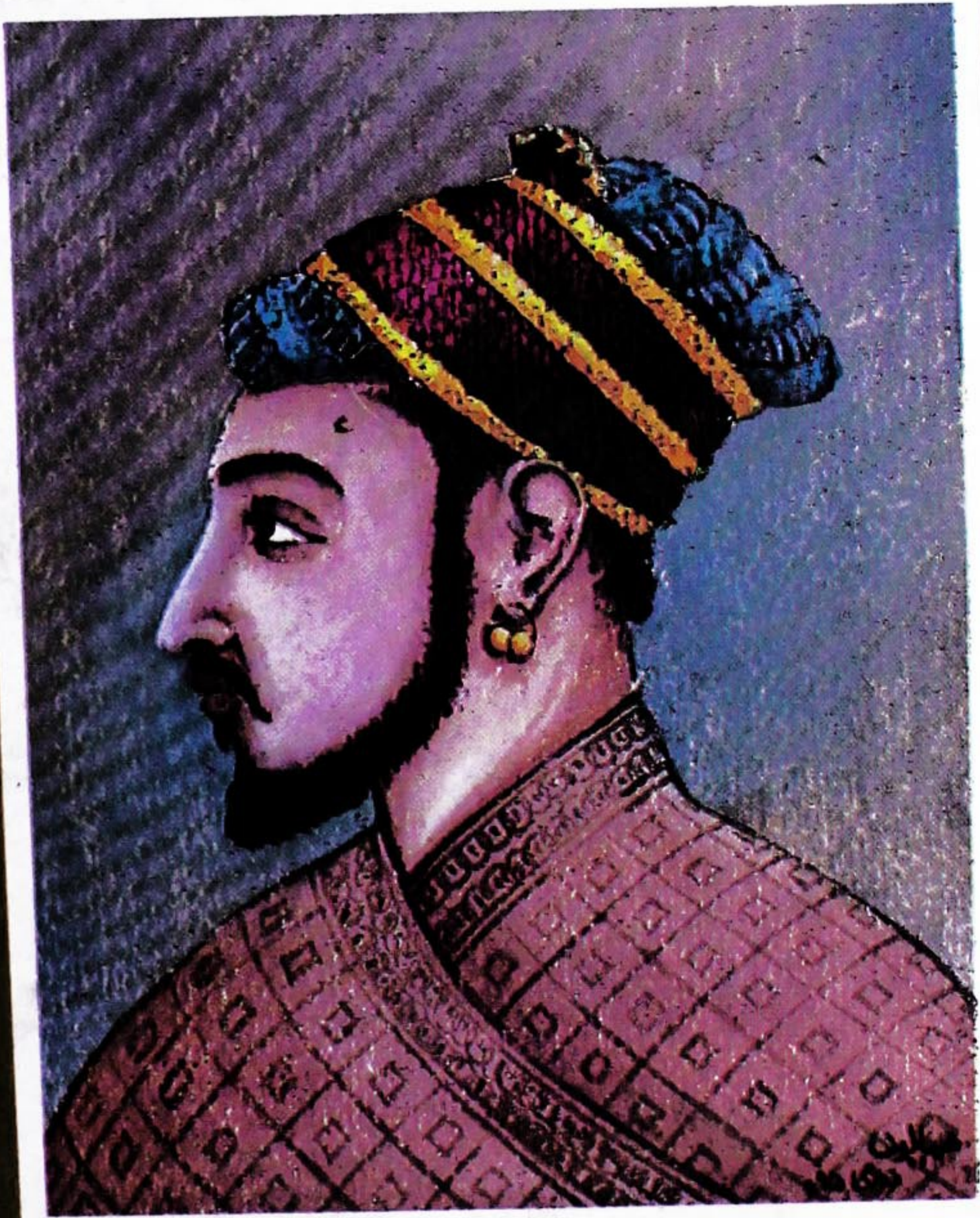


دارا شکوہ

احوال و افکار

محمد سلیم





دارالاشکوہ

احوال و افکار



محمد سلیم

مکتبہ کاروان — پچھری روڈ، لاہور

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

135627

طبع اول اپریل 1995ء

پرنٹرز: خیبر انٹرنیشنل پرنٹرز، 14A، ایبٹ روڈ، لاہور

پبلشرز: مکتبہ کارواں، کچھری روڈ، لاہور

قیمت: 100 روپے

DESIGNED & PRODUCED BY:

Maha Advertising

8-Davis Road, Lahore - Pakistan.

Tel : 6314109-6365001-5

اظہار تشکر

میں ان سب حضرات کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کتاب کے مسودے کو مکمل یا جزوی طور پر پڑھ کر مجھے اپنے مشوروں سے مستفید ہونے کا موقع دیا۔ میں بالخصوص ڈاکٹر آفتاب اصغر، ڈاکٹر اقبال علی اظہر، جناب طلعت فاطمی، جناب محمد دہیم، جناب مجاہد منصور، جناب قمر عباس، ڈاکٹر فضل علیم، ڈاکٹر حارث رشید اور ڈاکٹر مظہر معین کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں جناب جمیل احمد رضوی، چیف لائبریرین، پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے کتابوں کے حصول میں میری مدد کی۔

Handwritten text at the top left, possibly a page number or header.

Main body of handwritten text, consisting of several lines of script, likely in Urdu or Arabic.

Handwritten text in the middle of the page, possibly a signature or a specific note.

Handwritten text at the bottom of the page, possibly a date or a reference.

فہرست

دیباچہ

1	حالات زندگی	پہلا باب
29	سفیتہ الاولیاء اور سکیتہ الاولیاء پر ایک نظر	دوسرا باب
47	رسالہ حق نما	تیسرا باب
53	حسانت العارفین	چوتھا باب
63	مجمع البحرین-----ایک جائزہ	پانچواں باب
81	دیوان داراشکوہ	چھٹا باب
91	خطاطی اور مصوری	ساتواں باب
99	سراکبر	آٹھواں باب
115	داراشکوہ کے خطوط	نواں باب

148

مکالمہ داراشکوہ و بابالال

دسواں باب

154

گیارہواں باب . متفرقات

159

بارہواں باب - شخصیت اور مذہب

165

اشاریہ

دیباچہ

ظہیر الدین بابر سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک تقریباً تین سو برس مغلوں نے ہندوستان پر حکومت کی۔ ان میں ایک روایت یہ بھی رہی کہ بادشاہت کا تاج سر پر رکھنے کے لئے اپنے ہی خاندان کے خون کا دریا عبور کرنا پڑتا۔ مغل بادشاہوں میں شاہجہاں کا دور اس لئے خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ باپ کی زندگی ہی میں بیٹوں میں تخت نشینی کی جنگ چھڑ گئی۔ داراشکوہ سب سے بڑا اور لاڈلا بیٹا تھا۔ وہ ذہین و فطین تھا اور عقل و دانش اور علم و فکر میں اپنے آپ کو سب سے ارفع و اعلیٰ تصور کرتا تھا۔ شجاع سیر چشم، بہادر، ثابت قدم، عقل مند اور سیاسی جوڑ توڑ میں ماہر تھا۔ اورنگ زیب اولوالعزم اور صاحب استقلال تھا۔ مراد بخش سادہ دل اور ہر دم مست شراب تھا۔ عام تاثر یہی تھا کہ شاہجہاں کے بعد داراشکوہ سریر آرائے سلطنت ہو گا۔ وہ ایک عالم شہزادہ تھا جسے فارسی اور عربی پر عبور حاصل تھا۔ اسے تصوف کا شوق پیدا ہوا اور اس نے علماء اور صوفیاء کے علاوہ ہندو پنڈتوں، یوگیوں اور نیا سیوں سے اپنے تعلقات بڑھائے۔ سنسکرت زبان سیکھی اور ہندو مذہب، خاص طور پر اپنشدوں کا گہرا مطالعہ کیا۔ لیکن اس مطالعے اور ان صحبتوں کا اثر یہ ہوا کہ اس کی اپنی ہی تحریروں کے **بموجب** عوام اسے **مرید** اور **مخلص** تصور کرنے لگے۔ اس کا اضطراب اس بات سے ظاہر ہے کہ وہ اپنے مخالفین کو علم سے کھوکھلے اور دجال، فرعون اور ابو جہل کے ہم مشرب کہتا ہے۔ داراشکوہ کو اقتدار کی جنگ میں شکست ہوئی اور اسے اپنی جان کا نذرانہ دینا پڑا، اس لئے بادشاہوں کی فہرست میں اس کا نام نہیں آتا۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک عالم شخص تھا۔ اس کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ وہ بہت سی کتابوں کا مصنف اور اپنشدوں کا مترجم تھا۔ اس پر جتنی کتابیں بھی لکھی گئی ہیں کسی میں بھی

اس کی تصنیفات کا تجزیہ نہیں ہے۔ اس کی سوچ پر تفصیلی گفتگو نہیں ہے، اور اس بات پر کوئی غور نہیں کیا گیا کہ اگر وہ جہاں بانی کا تاج پہن لیتا تو پھر ہندوستان کا نقشہ کیا ہوتا۔ ہم نے ان سب باتوں کا جائزہ لیا ہے۔ اس کی خوبیوں اور خامیوں کو اجاگر کیا ہے اور اس کی داستان حیات کے سارے پہلوؤں کو سامنے لائے ہیں۔

شہزادہ داراشکوہ تقریباً 46 سال کی عمر میں قتل کر دیا گیا۔ اس مختصر مدت میں اس نے جو علمی کام کیا، سیاسی حکمت عملی اختیار کی اور جنگیں لڑیں، نیز مذہبی افکار کی جو طرز نو ڈالی، اس کی کہانی آپ کو آئندہ صفحوں میں ملے گی۔ تاریخ کا مطالعہ صاحبان بصیرت کے لئے ایک بہت ہی اہم چیز ہے۔ مشاہدہ، تجربہ، تجزیہ جو نسل در نسل منتقل ہو رہا ہے درس عبرت دیتا ہے اور ان راہوں کی نشان دہی کرتا ہے جن پر چل کر قومیں فلاح و بہبود پاسکتی ہیں۔

شہزادہ داراشکوہ کی کتاب حیات تاریخ کا ایک ایسا ہی مطالعہ ہے۔

محمد سلیم

پہلا باب

حالات زندگی

اجمیر میں مشہور بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا مقبرہ ہے۔ صدیوں سے وہاں زائرین کا ہجوم رہا ہے۔ شہزادہ خرم (شاہجہاں) بھی ان کے مقبرے پر اکثر جاتا اور بیٹے کی پیدائش کے لئے دعا کرتا کیونکہ اس کے ہاں صرف بیٹیاں پیدا ہو رہی تھیں چنانچہ جب 29 صفر 1024ھ / 30 مارچ 1615ء کو بروز پیر بیٹا پیدا ہوا تو اس کے والدین شہزادہ خرم اور ممتاز محل نے قدرتاً بے حد خوشی اور مسرت کا اظہار کیا۔ اس کے دادا جہانگیر نے اس کا نام داراشکوہ رکھا۔ ابوطالب کلیم نے اس کی ولادت پر قصیدہ کہا اور ”گل اولین گلستان شاہی“ سے تاریخ نکالی (1):

بگوش دل از بہر تاریخ آمد
”گل اولین گلستان شاہی“

(تاریخ ولادت) کے لئے میرے دل کے کان میں (آواز) آئی: ”شاہی باغ کا پہلا پھول“

داراشکوہ کی ابتدائی زندگی کے بارے میں بہت کم معلوم ہے کیونکہ مغل دور کے مورخین نے اپنی زیادہ تر توجہ ملک میں سیاسی واقعات بیان کرنے تک ہی محدود رکھی اور دارا کی تعلیم کے بارے میں بہت کم لکھا ہے۔ وہ چھ سال کا تھا کہ معروف حنفی عالم

ملا عبد الطیف اس کی تعلیم پر مامور ہوئے (2)۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ دارا شکوہ اپنی تصانیف میں اپنے استاد ملا عبد الطیف کا کوئی ذکر نہیں کرتا، البتہ سیکتہ الاولیاء میں اپنے دوسرے استاد میرک شیخ کے بارے میں لکھتا ہے کہ میرے علم ظاہر کے استاد اور عالم و فاضل ہیں، زہد و پرہیزگاری اور حق گوئی میں ثابت قدم ہیں۔ میرک شیخ اپنے عہد کے جید عالم تھے۔ دارا شکوہ نے ان سے عربی، فارسی، تفسیر اور دوسرے علوم سیکھے (3)۔ بعد میں وہ نامور علماء، عارفین، پنڈتوں اور یوگیوں سے فیض حاصل کرتا رہا۔ اس نے خطاطی میں بھی مہارت حاصل کی (4)۔

تاریخ کے آئینے میں دارا شکوہ کی ایک اور جھلک جو ہمیں دکھائی دیتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کے باپ شہزادہ خرم نے بغاوت کے بعد جب اپنے باپ شہنشاہ جہانگیر سے مصالحت کر لی تو جون 1626ء میں اپنے دو بیٹوں دارا اور اورنگ زیب کو جہانگیر کے پاس بطور یرغمال بھیج دیا۔ شہزادہ خرم کا ایک اور بیٹا شجاع پہلے سے ہی وہاں موجود تھا کیونکہ وہ جہانگیر کو اپنے پوتوں میں سب سے لاڈلاتھا۔ جہانگیر کی زندگی میں شہزادہ خرم کے ان دونوں بیٹوں کو لاہور میں رکھا گیا۔ اس کی وفات پر جب شہزادہ خرم، شاہجہاں کے نام سے 1037ھ / 1627ء میں تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے تینوں بیٹوں کو اپنے پاس آگرہ بلا لیا۔ اس وقت دارا 13 سال کا ہو چکا تھا۔ شاہجہاں نے اس کی اعلیٰ تعلیم کے لئے انہی دنوں انتظام کیا ہو گا لیکن تاریخ سے ہمیں اس کی تفصیل نہیں ملتی کہ اس کے باپ نے مغل روایات کے مطابق اس کی تعلیم کے لئے کون سے انتظامات کئے (5)۔

1632ء میں اس کی شادی اس کی عزیزہ کریم النساء سے، جو عام طور پر نادرہ بیگم کے نام سے پہچانی جاتی ہے، ہوئی۔ 1634ء میں اس کا پہلا بچہ پیدا ہوا جو جلد ہی انتقال کر گیا۔ دارا کو اس کا اتنا رنج اور دکھ ہوا کہ وہ بیمار پڑ گیا۔ اس ذہنی حالت میں وہ مشہور صوفی میاں میر سے ملا اور ان سے تسلی و تشفی حاصل کرنے کی کوشش کی۔

دارا شکوہ کے سرکاری کیریئر کا آغاز 1043ھ / 1633ء میں ہوا جب شاہجہاں کی سالگرہ کے موقع پر اسے ”شاہ بلند اقبال“ کا خطاب ملا۔ نیز اسے بارہ ہزار ذات

اور چھ ہزار سوار کا منصب عطا ہوا۔

دارا شکوہ شاہجہاں کا سب سے لاڈلا بیٹا تھا۔ اس سے چھوٹا محمد شجاع تھا جو 1616ء میں اجمیر میں پیدا ہوا۔ شجاع سے چھوٹا اورنگ زیب تھا جو 1618ء میں دودھ کے مقام پر پیدا ہوا اور سب سے چھوٹا مراد بخش تھا جو 1624ء میں تھانس میں پیدا ہوا۔ شاہجہاں کو یہ گوارا نہ تھا کہ دارا کو اپنے سے دور کسی صوبے میں بھیج دے۔ اگرچہ دوسرے شہزادوں کے ساتھ دارا کو بھی صوبائی گورنر بنایا گیا مگر وہ رہا اپنے باپ کے پاس ہی۔ اسے اس بات کی اجازت دے دی گئی کہ وہ اپنے نائبین کے ذریعے ان صوبوں کا کاروبار چلائے۔ اس سے نہ صرف دوسرے شہزادوں کے دلوں میں حسد پیدا ہوا بلکہ دارا کو ایک منتظم کے طور پر عملی تجربہ حاصل کرنے کا موقع بھی نہ ملا۔

دارا شکوہ کو 1055ھ/1645ء میں صوبہ الہ آباد کا صوبیدار (گورنر) بنایا گیا۔ پھر وہ 1057ھ/1647ء میں صوبہ پنجاب کا، 1059ھ/1647ء میں صوبہ گجرات کا، 1062ھ/1652ء میں ملتان کا اور 1067ھ/1657ء میں بہار کا گورنر ہوا۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے ان صوبوں کا نظم و نسق اس کے نائب چلاتے تھے جب کہ وہ خود دربار شاہی سے وابستہ تھا۔ 1058ھ/1648ء میں اسے تیس ہزار ذات اور دس ہزار سوار کا منصب ملا۔ یہ وہی منصب تھا جو تخت نشینی سے پہلے شاہجہاں کو ملا تھا۔ اس طرح اس کے پاس کئی جاگیریں اور عہدے تھے جن سے اسے کافی آمدنی ہوتی تھی (6)۔

ایرانیوں نے 1059ھ/1649ء میں قندھار پر قبضہ کر لیا تھا۔ شاہجہاں نے اسی سال اورنگ زیب اور سعد اللہ خاں کو پچاس ہزار فوجیوں کے ساتھ قندھار واپس لینے کے لئے بھیجا۔ وہ ناکام رہے۔ اس کے تین سال بعد 1652ء میں انہیں ایک بار پھر یہ مہم سر کرنے کے لئے کہا۔ لیکن اس بار بھی ناکامی ہوئی۔ ان ناکامیوں پر شاہجہاں نے اورنگ زیب کو تہدید کی۔ اورنگ زیب کی ناکامی پر دارا شکوہ نے قلعہ فتح کرنے کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ شاہجہاں کی منظوری کے بعد فرنگی توپچیوں اور انجینروں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ لاہور میں قلعہ قندھار کے نمونہ کا ایک مصنوعی قلعہ تیار کیا گیا جس کا

محاصرہ ہوا۔ اور قلعہ شکن توپوں نے اسے تباہ کر دیا۔ اس نیک شگون پر لوگوں نے شہزادے کو مبارک بادیں پیش کیں۔ مہم کی تیاری کے سلسلے میں داراشکوہ نے کچھ ساحروں اور نجومیوں کی خدمات بھی حاصل کیں۔ چنانچہ وہ پوری جنگی تیاریوں کے بعد، نجومیوں کی بتائی ہوئی تاریخ 11 فروری 1653ء کو ستر ہزار فوج کے ساتھ قندھار روانہ ہوا۔ اس نے 27 ستمبر 1653ء تک قندھار کا محاصرہ کئے رکھا لیکن اپنے سارے ساز و سامان اور عظیم الشان لشکر کے باوجود وہ قندھار فتح نہ کر سکا۔ شاہجہاں کا فرمان آنے پر محاصرہ اٹھالیا گیا اور شاہزادہ واپس آ گیا۔ ان مہموں میں ناکامی کے دو بڑے اسباب تھے۔ ایک یہ کہ قندھار جیسے مستحکم قلعے کی تسخیر کے لئے جیسا سامان درکار تھا، خاص طور پر توپیں، وہ موجود نہ تھا۔ دوسرے محصور فوجیں جنگی مہارت میں عبور تامہ رکھتی تھیں۔ داراشکوہ کی ناکام واپسی پر بھی شاہجہاں نے اسے مزید نوازشات سے سرفراز کیا اور ساٹھ ہزار ذات اور چالیس ہزار سوار کا فقید المثال منصب عطا کیا (7)۔

داراشکوہ کو دوسرے شہزادے اور مسلمان امرا اس قابل نہیں سمجھتے تھے کہ وہ شاہجہاں کے بعد سریر آرائے سلطنت ہو کیونکہ ان کے نقطہ نظر سے داراشکوہ میں نہ صرف سیاسی بصیرت اور عسکری مہارت کا فقدان تھا بلکہ یوگیوں، پنڈتوں اور سنیا سیوں سے رابطے بڑھانے نیز اپنشد اور بھگوت گیتا وغیرہ کے گہرے مطالعے کے بعد وہ ہندو مذہب سے بہت حد تک متاثر ہو چکا تھا۔ اس کا یہ نظریاتی رجحان بھی واضح ہو رہا تھا کہ اسلام اور ہندومت میں اصطلاحات کے علاوہ کوئی اور فرق نہیں۔ چنانچہ اس کے افکار و اعمال سے یہ تاثر ملتا تھا کہ اس کے بادشاہ بننے پر دین کی نئی نئی تاویلیں ہوں گی، مسلمانوں کے اعتقادات پر ضرب لگائی جائے گی اور اکبر بادشاہ کا دور لوٹ آئے گا۔

داراشکوہ میں خوبیوں کی کمی نہ تھی۔ وہ شیریں بیاں، حاضر جواب اور فیاض تھا۔ لیکن وہ سمجھتا تھا کہ اپنی ذہنی صلاحیتوں کی بنا پر وہ اپنے تمام کام اپنی سوچ سے ہی بخوبی سرانجام دے سکتا ہے اور روئے زمین پر ایسا کوئی آدمی نہیں جس کے مشورے سے وہ مستفید ہو سکے۔ وہ ان لوگوں کے لئے تحقیر کا اظہار کرتا تھا جو کسی معاملے میں اسے مشورہ

دینے کی جرات کر بیٹھتے۔ اس طرح اس کے مخلص ترین دوست بھی اسے اس کے بھائیوں کے خفیہ منصوبوں کے بارے میں بتانے سے گریز کرتے۔ وہ بڑے بڑے امراء تک کو دھمکیاں دیتا اور ان کے لئے نازیبا الفاظ استعمال کرتا۔ اگرچہ عام طور پر اس کا غصہ تھوڑی دیر کے لئے ہوتا، مگر اس کے اثرات دیرپا ہوتے (8)۔

شاہجہاں کی دارا سے بے حد محبت کی وجہ سے عام طور پر درباری اس کی خوشامد کرتے رہتے اور کوئی بھی اس کی بات ٹالنے کی جرات نہ کرتا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ایک خود سر اور خوشامد پسند شخص بن گیا جو اس بات کو برداشت نہیں کرتا تھا کہ کوئی اس کی رائے سے اختلاف کرے۔ اور اگر کبھی کوئی یہ جرات کرتا تو وہ اسے سردربار ذلیل و خوار کر دیتا۔ شاہجہاں نے اسے بار بار سمجھایا کہ وہ امراء دربار سے کج خلقی کے ساتھ پیش نہ آئے مگر اس پر مطلق کوئی اثر نہ ہوا کیونکہ وہ اپنے آپ کو نہایت عقل مند ذہین اور صائب الرائے شخصیت سمجھتا تھا۔

حمید الدین خاں "احکام عالمگیری" میں لکھتا ہے (9) کہ داراشکوہ بعض امراء کے ساتھ عداوت اور بعض کے ساتھ غرور و تکبر کا سلوک کرتا تھا۔ ان امراء میں علی مردان خاں، سعد اللہ خاں اور سید میران بارہہ بھی شامل تھے۔ یہ سب پانچ ہزاری مرتبہ رکھتے تھے اور شاہجہاں کے خاص مصاحبین میں سے تھے۔ ادھر اورنگ زیب کو ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ربط خاص تھا، چنانچہ یہ تینوں اور ان کے علاوہ کئی دوسرے امراء مثلاً "افضل خاں، ملا علاء الملک، کمال محبت سے اورنگ زیب کی رازداری میں حق دوستی ادا کرتے تھے۔ یہ بات شاہجہاں کو بہت گراں گزرتی تھی۔ شاہ بلند اقبال (داراشکوہ) کی پیشانی سے آثار اوبار دیکھ کر اور شاہزادہ اورنگ زیب کی قسمت کی بلندی کے آثار دیکھ کر بادشاہ نے داراشکوہ کو انفعال ناپسندیدہ اور اقوال نازیبا سے بچنے کی نصیحت فرمائی لیکن ان نصیحتوں نے داراشکوہ پر کچھ اثر نہیں کیا، جیسا کہ کہا ہے:

کلم بخت کے را کہ بافتد سیاہ
بہ آب زم زم و کوثر سفید نتواں کرد

(انہوں نے جس کی قسمت کا کبل سیاہ بن دیا، اسے زم زم اور کوثر کے پانی سے بھی سفید نہیں کیا جاسکتا)

اس پر شاہجہاں نے چاہا کہ اورنگ زیب امراء کے ساتھ اپنے سلوک میں تبدیلی کرے تاکہ وہ اس کی رازداری سے دست بردار ہو جائیں، چنانچہ اورنگ زیب کو خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر بھیجا: ”بابا“ سلطان اور ان کے فرزندوں کو بلند ہمت اور عالی فطرت ہونا چاہئے۔ سنا ہے کہ تم ہر ایک ملازم سے ایسا سلوک کرتے ہو جس سے اپنے آپ کو انتہائی پست کر لیتے ہو۔ اگر یہ عاقبت بنی پر مبنی ہے تو یاد رکھو کہ تمام کام تقدیر سے وابستہ ہیں۔ اس پست فطری سے سوائے زلت کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔“

احکام عالمگیری میں یہ بھی لکھا ہے (10) کہ شاہجہاں کہتا تھا کہ ہمیں بعض اوقات خیال آتا ہے کہ مہین پور (داراشکوہ) نیک لوگوں کا دشمن واقع ہوا ہے۔ مراد بخش کو مے نوشی سے فرصت نہیں اور محمد شجاع میں سیر چشمی کے سوا کوئی اور صفت نہیں، مگر اورنگ زیب اپنے عزم و شعور کی وجہ سے عظمت کے اس بارگراں کو اٹھالے گا۔ لیکن اس کی فطرت میں زبردست خامیاں بھی ہیں۔

تا دوست کرا باشد و میثں بکہ باشد
(وہ دوست کسی کا ہوگا اور اس کا میلان کسی اور کی طرف ہوگا)

اس تحریر سے شہزادوں کے کردار کے بارے میں ان کے باپ شاہجہاں کی رائے کے صائب ہونے کا احساس ہوتا ہے، لیکن فطری محبت کی وجہ سے وہ داراشکوہ کے آخری دم تک اس کا طرف دار رہا۔

اس سلسلے میں داراشکوہ کی خود سری کا ایک واقعہ بھی سن لیجئے (11):

سعد اللہ خاں ایک بہت بڑا عالم، بہت اچھا منتظم، نہایت ایمان دار اور شاہجہاں کا سب سے اچھا دیوان تھا۔ وہ فارسی اور عربی کے علاوہ ترکی زبان بھی جانتا تھا، وہ ایک خوش

گفتار اور فصیح البیان مقرر تھا۔ اس کی ذات میں اس زمانے کے اعلیٰ ترین علوم اور اپنے ماتحتوں سے کام لینے کی غیر معمولی صلاحیت جمع ہو گئے تھے۔ داراشکوہ کا میرنشی (چیف سیکرٹری) چندر بھان کہتا ہے کہ حسابات اور مال گزاری سے متعلق اپنی عرضداشت تیار کرنے میں اسے نہ تو اپنے معتمدین کی ضرورت پڑتی تھی اور نہ حسابات کی جانچ پڑتال کرنے والوں کی ماہرانہ رائے کی۔ اس کے علم و فضل کو دیکھ کر بے ساختہ ابوالفضل یاد آجاتا ہے۔ سعد اللہ خاں کو اپنے حسن کارکردگی، صاف گوئی اور دیانت داری کی وجہ شاہجہاں بادشاہ کا مکمل اعتماد حاصل تھا۔

ایک دفعہ داراشکوہ کے دیوان بھاڑا مل نے بادشاہ کے سامنے کچھ حسابات پیش کئے اور حکومت کے ذمے واجب الادا دس لاکھ روپے کا مطالبہ کیا۔ شاہجہاں نے کاغذات سعد اللہ خاں کے حوالے کر دیئے اور اس سے کہا کہ دفتر دیوانی سے حسابات کی جانچ کرا کے مفصل رپورٹ پیش کرے۔ لیکن سعد اللہ نے یہ کہہ کر فوری طور پر معاملہ ختم کر دیا کہ یہ مطالبہ خلاف قاعدہ ہے کیونکہ اتنی بڑی رقوم خزانے سے ادا نہیں کی جاتیں، آگے چل کر یہ مطالبہ نقدی میں محسوب ہو جائے گا۔ دیوان کا فیصلہ آخری تھا۔

داراشکوہ بھی دربار میں موجود تھا۔ دربار ختم ہو جانے کے بعد اس نے سعد اللہ کو برا بھلا کہا۔ محرروں نے شاہجہاں سے سارے واقعے کی رپورٹ کی۔ بادشاہ نے فوراً شہزادے کو لکھا کہ کسی صاف دل شخص سے جھگڑنا اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ جو شخص آئینے پر تلوار چلاتا ہے وہ اپنے آپ کو قتل کرتا ہے۔ کسی بھی شاہی ملازم کے جذبات کو مجروح کرنا بہت برا ہے بالخصوص سعد اللہ خاں جیسے شخص کے جذبات کو۔ دلوں کو جیتنا بہترین حکمت عملی ہے اور اسی سے حکمرانوں کی ہر دلعزیزی اور اقبال مندی میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ شام کے وقت، بادشاہ نے محمودی زردوزی کے کئی تھان اور تین ہزار دینار بطور تحفہ اپنے منظور نظر دیوان کو بھیجے اور اس طرح اس کی عزت افزائی کی۔ یوں یہ سارا معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

یہاں ہم ایک واقعہ بیان کرتے ہیں (12) جس سے نہ صرف اورنگ زیب

کے عشق کی داستاں کا پتہ چلتا ہے بلکہ یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ داراشکوہ شروع ہی سے اورنگ زیب سے خوش نہ تھا۔ جب اورنگ زیب دکن کا گورنر مقرر ہوا تو اورنگ آباد جاتے ہوئے برہان پور میں 'جہاں اس کی خالہ رہتی تھی' رکا۔ ایک روز شہزادہ برہان پور کے عالم آراباغ میں کہ آہو خانہ کے نام سے مشہور ہے، محو گل گشت تھا کہ اس کی خالہ کی ایک کنیز زین آبادی جو نغمہ سنجی میں بے مثال اور شیوہ دل بری میں یکتا تھی، شہزادے کی خالہ کے ساتھ آئی۔ چہل قدمی کے وقت آموں سے لدے ہوئے درخت کو دیکھ کر شہزادے کا پاس ادب کئے بغیر وہ نہایت شوخی سے بے باکانہ اچھلی اور ایک شاخ بلند سے ایک آم توڑ لیا۔ دلبری اور دل ربائی کے اس انداز نے شہزادے پر خود فراموشی طاری کردی اور ہوش و پارسائی کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

عجب گیرندہ دامے بود در عاشق ربائی ہا
نگاہ آشنائے یارے پیش از آشنائی ہا

(محبوب کی آشنائی سے پہلے کی نگاہ آشنا، عاشق کو چھین کر لے جانے کے لئے عجیب گرفت والا

جال تھی)

اپنی خالہ سے بہت اصرار اور سماجت کر کے شہزادہ نے اسے حاصل کیا اور باوجود اپنے زہد و تقویٰ کے اس کا ایسا دلدادہ اور شیدا ہوا کہ اپنے ہاتھ سے شراب کا پیالہ بھر بھر کر اسے پیش کرتا تھا۔

ایک دن زین آبادی نے بھی شراب کا پیالہ شہزادے کو دیا اور اس کے پینے پر اصرار کیا۔ شہزادے نے ہر چند مجز و نیاز سے کام لیا، اس نے ایک نہ سنی۔ لیکن جونہی اس فسوں ساز نے دیکھا کہ شہزادہ مجبور ہو کر پینے پر آمادہ ہو گیا ہے تو فوراً اس کے ہاتھ سے پیالہ چھین لیا اور کہا کہ مقصد صرف محبت کا امتحان لینا تھا نہ کہ آپ کی تلخ کامی، (غرض امتحان عشق بودنہ کہ تلخ کامی تھا)۔

معاملہ اس درجے تک جا پہنچا کہ شاہجہاں بادشاہ کو بھی خبریں لگنے لگیں۔ داراشکوہ نے اس حکایت کو بدگوئی اور نکتہ چینی کی بنیاد بنا کر بادشاہ سے کہا کہ اس مکار و ریاکار کو صلاح و تقویٰ سے کیا کام کہ خود کو اپنی خالہ کی ایک کنیر کے پیچھے برباد کیا: بسند، آں مزور ریائی چہ صلاح و تقویٰ ساختہ است؟ لیکن عین شباب میں زین آبادی کی زندگی کا پھول مرجھا گیا اور وہ شہزادے کو ابدی ہجر کے داغ میں مبتلا کر گئی۔ اورنگ آباد میں تالاب کلاں کے قریب اس کا مقبرہ آج تک موجود ہے۔

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ داراشکوہ اپنے چھوٹے بھائی اورنگ زیب کے خلاف بات کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا تھا۔

یہاں ایک اور واقعہ کا ذکر بے جا نہ ہو گا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اورنگ زیب بھی آغاز سے ہی داراشکوہ کی نیت پر شک کرتا تھا۔ احکام عالمگیری میں لکھا ہے (13) کہ داراشکوہ نے اکبر آباد میں ایک نیا محل تعمیر کیا تو شاہجہاں اور تینوں بھائیوں کی دعوت کی۔ دریا کے متصل ایک تہ خانہ بنایا تھا۔ گرمی کا موسم تھا اس لئے وہ بادشاہ اور شہزادوں کو تہ خانہ میں لے گیا۔ تہ خانے میں برابر آمدورفت جاری تھی۔ اورنگ زیب تہ خانے کے دروازے کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ داراشکوہ نے یہ دیکھ کر شاہجہاں کو آنکھ کے اشارے سے اس طرف متوجہ کیا۔ بادشاہ نے اورنگ زیب سے کہا۔ ”بابا، ہمیں معلوم ہے کہ تم عالم اور درویش صفت ہو، لیکن پھر بھی حفظ مراتب ضروری ہے:

مگر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

(اگر تو حفظ مراتب کا لفظ لہجہ نہ کرے تو ملحد ہے)

کیا ضرورت ہے کہ عام لوگوں کے راستے میں بیٹھو اور اپنے چھوٹے بھائی (مراد بخش) کی بھی پشت پر رہو۔ لیکن اورنگ زیب وہیں بیٹھا رہا۔ کچھ دیر بعد جماعت کے ساتھ نماز ظہر پڑھنے کے لئے اٹھا اور پھر وہاں سے بغیر اجازت اپنے محل میں چلا گیا۔

شاہجہاں اس پر سخت ناراض ہوا اور سات ماہ تک دربار میں اس کی حاضری بند رکھی۔ پھر شہزادی جہاں آرا بیگم کو حکم دیا کہ اورنگ زیب سے اس کی وجہ معلوم کرے۔ شہزادی کے دریافت کرنے پر شہزادہ اورنگ زیب نے کہا کہ جس روز داراشکوہ نے دعوت کی تھی انہوں نے باپ اور بھائیوں کو ایک ایسے تہ خانے میں بٹھایا تھا جس کا صرف ایک دروازہ تھا اور خود دعوت کے انتظام کے لئے برابر آتے جاتے رہے۔ اگر انہوں نے قصداً ایسا کیا تھا تو وہ جب بھی دروازہ بند کر دیتے ہم سب کا کام تمام ہو جاتا۔ اور اگر ان سے سہواً ایسا ہوا تو میرے دل میں برابر یہ خیال آ رہا تھا کہ جب تک وہ سب اندر ہیں، میں یہ خدمت (محافظت) بجالاؤں، لیکن اعلیٰ حضرت (شاہجہاں) کا دبدبہ اس خدمت کی بجا آوری میں مانع تھا۔ اس لئے میں استغفار پڑھتا ہوا چلا آیا۔

جب شاہجہاں نے یہ سنا تو فوراً اورنگ زیب کو طلب کیا اور بہت عنایات کیں۔ ذرا غور کیجئے کہ باپ کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا جا رہا ہے کہ داراشکوہ ہمارے خلاف تو ہے ہی، بادشاہ بننے کے لئے آپ کو بھی نہیں چھوڑے گا، اور پھر ہوا کیا؟ داراشکوہ ایک عالم اور صوفی تھا جسے اسلام اور ہندو دھرم دونوں سے خاصا شغف تھا۔ وہ دانش دوست تھا اس لئے اس کے پاس ہر مذہب کے علماء اور ادباء جمع ہو گئے تھے۔ وہ ان کی علمی و ادبی و مذہبی صلاحیتوں سے بھرپور استفادہ کرتا تھا۔ علاوہ ازیں وہ نہ صرف ایک صاحب دیوان شاعر تھا بلکہ شاعروں کا بھی بے حد قدردان تھا۔ اور انہیں دریا دلی سے نوازتا تھا۔ اس لئے بہت سے شعرا اس کے دربار سے وابستہ ہو گئے۔ میر رضی دانش مشدی، شاہجہاں کے دور میں ہندوستان آیا۔ پہلے دکن اور بنگال میں رہا۔ پھر شاہجہاں کے دربار میں رسائی ہوئی۔ اس نے جب اپنی ایک غزل داراشکوہ کی مجلس میں پڑھی تو اس کے ایک شعر پر خوش ہو کر شہزادے نے اسے ایک لاکھ روپیہ انعام دیا۔ شعریہ ہے (14):

ناک را سیراب دار، اے ابر نیساں در بہار
قطرہ تا مے تواند شد چرا گوہر شود

(اے ابرنیاں، موسم بہار میں انگور کی نیل کو سیراب رکھ۔ (کیونکہ) اگر ایک قطرہ شراب بن سکتا ہے تو (پھر) وہ موتی کیوں بنے؟)

داراشکوہ نے نہ صرف اپنے درباریوں کو اس پر طبع آزمائی کے لئے کہا بلکہ اس کے جواب میں خود بھی یہ شعر کہا:

سلطنت سہل است، خود را آشنائے فقر کن
قطرہ تا دریا تواند شد چرا گوہر شود؟
(سلطنت (حاصل کرنا) آسان ہے، اپنے آپ کو فقر سے آشنا کر۔ قطرہ جب سمندر بن سکتا ہے تو وہ موتی کیوں بنے؟)

داراشکوہ کا میرنشی (چیف سیکرٹری) چندر بھان ایک شاعر بھی تھا۔ مذہبی خیالات میں ہم آہنگی کی وجہ سے، دارا اسے بہت عزیز رکھتا تھا۔ چندر بھان کا ایک شعر اسے بہت پسند آیا۔ اس کی تعریف شاہجہاں سے کی اور اسے بادشاہ کے دربار میں لے گیا۔ شاہجہاں نے چندر بھان برہمن سے فرمائش کی کہ

”دریں ایام شعری کہ بابا (داراشکوہ) از تو پسند کردہ است، بخوان“
(ان دنوں بابا (داراشکوہ) کو تیرا جو شعر پسند ہے، اسے پڑھو)
چندر بھان نے اپنا یہ شعر پڑھا:

مراد دل است چہ کفر آشنا کہ چندیں بار
بکعبہ بردم و بازش برہمن آوردم
(مراد دل کفر سے کیا آشنا ہے کہ میں اسے کئی بار کعبہ لے گیا اور اسے برہمن ہی واپس لایا)

بادشاہ یہ شعر سن کر سخت برہم ہوا۔ اس کا مزاج دیکھ کر افضل خاں شیرازی نے فوراً یہ شعر پڑھا۔

خر عیسیٰ اگر مکہ رود
باز آید ہنوز خر باشد

(حضرت عیسیٰ کا گدھا اگر مکہ چلا جائے تو جب واپس آئے گا تب بھی گدھا (ہی) ہوگا)

یہ شعر سن کر بادشاہ کا غصہ فرو ہوا اور شاہزادے کو کہا کہ آئندہ اس قسم کی لغویات ہمارے حضور پیش نہ کی جائیں (15)۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ دارا شکوہ کا یہ قابل اعتماد ساتھی، اس کی موت کے بعد اورنگ زیب عالم گیر کے دربار سے وابستہ ہو گیا (16)۔

ماہ ذی الحجہ 1067ھ (1657ء) میں شاہجہاں سخت بیمار ہو کر صاحب فراش ہوا۔ اس کی صحت روز بروز گرنے لگی۔ ان دنوں شہزادہ اورنگ زیب بیجاپور کے محاصرے میں لگا ہوا تھا۔ اچانک اسے اور اس کے لشکر کے سرداروں کے نام شاہجہاں کی طرف سے یہ فرمان پہنچا کہ وہ اس مہم کو چھوڑ دیں۔ اور وہ امرائے سلطنت جو لشکر کے ہمراہ ہیں فوراً واپس چلے آئیں۔ چنانچہ بادشاہ کے حکم کے مطابق ان امرائے اورنگ زیب کی اجازت کے بغیر آگرے کا رخ پکڑا۔ شہزادہ اورنگ زیب بھی اس مہم کو نامکمل چھوڑ کر اور والی بیجاپور سے ایک کروڑ روپیہ لے کر اپنے علاقے میں واپس چلا گیا۔ بادشاہ کا یہ فرمان دارا شکوہ کے کہنے پر جاری کیا گیا تاکہ وہ امراجو اورنگ زیب کے ہمراہ جنگ میں مصروف تھے وہ دارالحکومت واپس آکر دارا شکوہ سے وابستہ ہو جائیں۔

شہزادہ محمد شجاع اور شہزادہ مراد بخش اپنے اپنے صوبوں میں تھے۔ شہزادہ دارا شکوہ آگرہ میں باپ کے پاس تھا اور یہ نہیں چاہتا تھا کہ باقی شہزادوں کو بادشاہ کی بیماری کا علم ہو۔ غالباً اسے خدشہ تھا کہ بڑا بیٹا ہونے کے باوجود راسخ العقیدہ امراء اس کا ساتھ نہ دیں گے اور کسی دوسرے شہزادے کی دارالخلافہ میں موجودگی کی صورت میں امرائے دربار

اس کے گرد اکٹھے ہو کر اسے (داراشکوہ کو) ہندوستان کے تاج و تخت سے محروم کر دیں گے۔ چنانچہ اس نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ اورنگ زیب، مراد اور شجاع کے آگرہ میں موجود وکیلوں سے ضمانتیں لیں کہ وہ دربار کی کوئی خبر شنزادوں کو نہیں بھیجیں گے۔ لیکن بادشاہ کی بیماری کوئی ایسی خبر نہ تھی کہ چھپائے چھپ جاتی۔ ملک میں تشویش اور اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ دارا کے اقدامات نے اس شے کو تقویت بخشی کہ بادشاہ انتقال کر چکا ہے۔ چنانچہ باقی شنزادوں نے بھی اپنے اپنے مورچے سنبھال لئے۔

بنگل کے گورنر شنزادہ شجاع کی مالی حالت بہت اچھی تھی۔ اس لئے وہ بڑی تعداد میں فوج رکھ سکتا تھا۔ چنانچہ جب اس نے شاہجہاں کی وفات کی افواہ سنی تو اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ اور اپنے صوبائی صدر مقام راج محل میں رسم تاج پوشی ادا کی۔ اپنے نام کا سکہ جاری کیا اور اپنے نام کا خطبہ پڑھنے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ اس نے ایک فرمان یہ بھی جاری کیا کہ داراشکوہ نے اپنے باپ کو زہر دے کر ہلاک کر دیا ہے۔ وہ نہ صرف اس قتل کا انتقام لے گا بلکہ بادشاہت کے خالی تخت پر بھی مسند نشین ہو گا۔ اس کے بعد وہ ایک لشکر جرار لے کر آگرہ کی جانب بڑھا۔ شاہجہاں نے اسے لکھا کہ وہ ابھی حیات ہے اس لئے شجاع اپنی فوجوں کے ساتھ بنگال واپس چلا جائے، لیکن چونکہ دربار میں شجاع کے دوستوں نے اسے اطلاع دی تھی کہ بادشاہ کا مرض لاعلاج ہے اس لئے وہ آگرہ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ بہانہ یہ بنایا کہ اسے شاہجہاں کی موت کا پورا پورا یقین ہے۔ یہ تحریر شاہجہاں کی نہیں۔ دارا نے اس کے ہینڈ رائٹنگ میں لکھی ہے، اور اگر خدا کے فضل سے شاہجہاں زندہ ہوئے تو اس صورت میں وہ بادشاہ کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کرے گا۔ 4 ربیع الاول 1068ھ کو شاہجہاں کے حکم سے داراشکوہ نے اپنے بیٹے سلیمان شکوہ اور راجہ جے سنگھ کی سرکردگی میں ایک بھاری لشکر شجاع کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ بنارس کے قریب دونوں فوجوں میں لڑائی ہوئی۔ شجاع کو شکست ہوئی اور وہ اپنی جان بچا کر بنگال بھاگ گیا (17)۔

اسی طرح احمد آباد میں شنزادہ مراد بخش نے اپنے نام کا سکہ و خطبہ جاری کر دیا۔

دکن میں شہزادہ اورنگ زیب نے بھی اپنا فرمان جاری کیا اور اپنی فوجیں حرکت میں لے آیا۔ وہ آگرہ کی طرف بڑھنے کے لئے سوچ رہا تھا کہ اسے اور مراد کو بھی شاہجہاں کی طرف سے ویسے ہی خطوط ملے۔ انہوں نے بھی شجاع جیسا ہی جواب دیا، لیکن چونکہ اورنگ زیب کے خزانے میں زیادہ مال و دولت نہیں تھا اور اس کی فوج نسبتاً کم تھی، اس لئے جو کچھ وہ فوج کی مدد سے حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے سیاست سے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اس نے شہزادہ مراد بخش کو خط لکھا کہ میں تو ایک فقیر اور درویش ہوں۔ دارا کافر اور ملحد ہے اور شجاع رافضی ہو چکا ہے۔ اس لئے ہم تینوں میں سے کوئی بھی حکومت کا اہل نہیں۔ سلطنت کے صحیح حق دار تم ہو۔ آؤ مل کر آگے بڑھیں!

اورنگ زیب کو باقی شہزادوں کے بارے میں تمام خبریں برابر پہنچ رہی تھیں۔ اس کے جاسوسوں اور مخبروں نے یہ اطلاع فراہم کی تھی کہ دارا شکوہ نے اپنے امرا، مہاراجہ جسونت سنگھ اور قاسم خاں کو ہدایت کی ہے کہ اگر اورنگ زیب دہلی کی جانب بڑھے تو راستے میں ہی روک لیں۔ لیکن اورنگ زیب نہایت تحمل سے حالات کا مطالعہ کر رہا تھا اور موقع کا منتظر تھا۔ اس نے مراد بخش کو بادشاہت کا لالچ دے کر اور اپنی فقیری کا دعویٰ کر کے اس سے تعلقات بڑھائے اور پھر آگرے کی طرف بڑھا۔ 20 رجب 1068ھ کو وہ دیپال پور آگیا جہاں پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق مراد بخش بھی اس سے آ ملا۔ جب جسونت سنگھ کو پتہ چلا تو وہ بھی اپنی فوجیں لے کر آگے بڑھا اور ان کے پڑاؤ سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر خیمہ زن ہوا۔ اورنگ زیب نے اسے پیغام بھیجا کہ وہ اپنے والد کی عیادت کے لئے جا رہے ہیں اس لئے وہ ان کا راستہ نہ روکے۔ لیکن جسونت سنگھ نہ مانا اور انہیں واپس جانے کے لئے کہا۔ لڑائی ہوئی اور جسونت سنگھ شکست کھا کر اپنے وطن کی طرف بھاگ نکلا (18)۔

اورنگ زیب اور مراد کی متحدہ فوجیں آگے بڑھتی ہوئی دھرمات کے مقام پر پہنچیں۔ دارا شکوہ کو جب پتہ چلا تو وہ ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ اورنگ زیب اور مراد کی مشترکہ افواج سے جنگ کے لئے آگے بڑھا۔ اس عرصہ میں اورنگ زیب اپنے باپ

شاہجہاں کو ایک خط لکھ چکا تھا جس میں اور باتوں کے علاوہ یہ بھی درج تھا: سنا جا رہا ہے کہ اب شاہ بلند اقبال (داراشکوہ) بذات خود میدان کارزار گرم کریں گے۔ یہ ان کی بزرگانہ شان کے خلاف ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مجھ ایسے کار آزمودہ جنگجو کے مقابلے پر ان کا بازی لے جانا قطعاً ناممکن ہے۔ اس لئے بہتری اسی میں ہے کہ اپنی بزرگی کا وہ خود احترام کریں۔ اس ارادے کو ترک کر دیں۔ اپنے علاقے پنجاب کو تشریف لے جائیں اور کچھ دنوں اس نیاز مند کو اعلیٰ و اقدس (یعنی شاہجہاں) کی خدمت میں باریابی کا موقعہ دیں۔ اس کے بعد جو آپ کی رائے ہوگی اس پر عمل ہوگا۔ (19) اس پر شاہجہاں نے دارا کو سمجھایا کہ اس کا جنگ کرنا مناسب نہیں لیکن وہ اپنے ارادے سے باز نہ آیا۔ دراصل، اسے اپنی اور اپنے فوجیوں اور ساحروں کی صلاحیتوں پر اتنا اعتماد تھا کہ وہ جنگ میں اپنی فتح کو یقینی سمجھتا تھا۔ تنگ آکر شاہجہاں نے اس سے کہا ”یاد رکھو، اگر لڑائی بگڑ گئی تو مجھے کیا منہ دکھاؤ گے؟“

بھائیوں کے درمیان اہم ترین جنگ 7 رمضان 1068ھ / 30 مئی 1658ء کو آگرہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر سموگڑھ کے محاذ پر ہوئی۔ داراشکوہ اپنی پوری طاقت کے ساتھ میدان جنگ میں آیا، اس نے بار بار مشورے کے باوجود اپنے بیٹے سلیمان شکوہ کی واپسی کا بھی انتظار نہ کیا۔ داراشکوہ کو اورنگ زیب اور مراد کی متحدہ فوجوں کے ہاتھوں 7 رمضان 1068ھ کو شام ہونے سے پہلے ہی شکست ہو گئی۔ جنگ کے بعد شاہجہاں نے اسے بار بار بلایا لیکن وہ شرم کے مارے اس کے پاس نہ گیا۔ آخر شاہجہاں نے ایک وفادار خواجہ سرا کی زبانی اپنے لاڈلے مگر بد نصیب شہزادے کو تسلی دی اور یہ پیغام بھیجا کہ مجھے اب بھی تم سے ویسا ہی پیار ہے۔ تمہاری اس شکست کا مجھے بے حد رنج ہے۔ لیکن ناامید ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ ابھی سلیمان شکوہ کا لشکر بالکل صحیح و سلامت ہے۔ تم دہلی چلے جاؤ۔ صوبیدار کو حکم بھیج دیا گیا ہے۔ بادشاہی اصطبل میں ایک ہزار گھوڑے موجود ہیں۔ وہ تمہیں خزانہ اور ہاتھی بھی سونپ دے گا۔ آگرے سے دور نہ جانا بلکہ ایک ایسے معقول فاصلے پر ٹھہرنا جہاں ہماری تحریریں تمہیں باسانی ملتی رہیں۔ ہمیں اب تک یہ امید ہے کہ ہم معاملات کو تسلی بخش طریقے سے حل کر سکیں گے۔ چنانچہ وہ راتوں رات بیوی بچوں اور

جواہرات کے صندوقوں کے ساتھ دہلی بھاگ گیا۔ وہاں سے ساز و سامان لے کر وہاں سے لاہور، ملتان، بھکر اور گجرات ہوتا ہوا کچھ پہنچ گیا۔ پہلے خود اورنگ زیب اور بعد میں اس کے سردار اس کا مسلسل پیچھا کرتے رہے۔ داراشکوہ کا فرار ایک بڑی دردناک کہانی ہے (20)۔

داراشکوہ کو اب یہ خیال آیا کہ وہ ہمایوں کے نقش قدم پر کیوں نہ چلے۔ چنانچہ اس نے اپنے ایلچی بھیج کر شاہ عباس دوم سے ایران آنے کی اجازت مانگی۔ شاہ نے نہ صرف اجازت دی بلکہ اپنے حکام کے نام فرمان جاری کیا کہ شاہزادے کا پر تپاک خیر مقدم کیا جائے (21)۔ چنانچہ داراشکوہ نے ایران جانے کے ارادے سے قندھار کا رخ کیا لیکن اس کے ساتھی مایوس ہو ہو کر اسے چھوڑتے گئے، اس کے حامی و مددگار اس سے الگ ہو گئے اور اس وقت مصائب کی انتہا ہو گئی جب اس کی ہمد و ہمراز بیوی نادرہ بیگم انتقال کر گئی۔ دارا کی حالت بہت خستہ ہو گئی۔ وہ شکست و ریخت کا شکار تھا۔ اس سفر میں وہ دادر کے افغان سردار ملک جیون کے ہاں ٹھہرا جس نے حکومت وقت کی وفاداری میں اس کی موجودگی کی اطلاع اورنگ زیب کو دے دی، اور داراشکوہ، اس کے بیٹے سپہر شکوہ اور اس کی بیٹی کو اورنگ زیب کے آدمیوں کے حوالے کر دیا جو انہیں لے کر دہلی آئے۔ داراشکوہ کو ہاتھی پر سوار کر کے دہلی کی گلیوں میں گھمایا گیا۔ اس پر الحاد اور بے دینی کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا اور مرتد قرار دے کر اسے علماء کی طرف سے سزائے موت سنائی گئی۔ چھوٹے بھائی نے اس کی موت کا فرمان جاری کیا اور 21 ذی الحجہ 1069ھ / 30 اگست 1659ء کو بدھ کی رات اسے موت کی سزا دے دی گئی۔ اس طرح شاہجہاں کا لاڈلا بیٹا اور ہندوستان کا ہونے والا شہنشاہ، اس دار فانی سے رخصت ہو گیا۔ اسے مقبرہ ہمایوں کے احاطے میں دفن کیا گیا (22)۔

اگرچہ داراشکوہ کی ساری عمر محلوں میں گزری تھی، لیکن اس میں اپنے آپ کو حالات کے مطابق ہم آہنگ کرنے کی صلاحیت تھی۔ اس نے تقریباً ساری عمر دربار میں گزارنے کے باوجود جنگی مہارت کا مظاہرہ کیا۔ مگر اورنگ زیب کو قدرت کی طرف سے جو

حیرت انگیز صلاحیتیں ودیعت ہوئی تھیں، داراشکوہ اپنے امرا کا دلی تعاون نہ ہونے کی وجہ سے ان کا مقابلہ نہ کر سکا۔

وزیر اعظم علامی سعد اللہ خاں اس جنگ سے کوئی ڈیڑھ سال پہلے انتقال کر چکا تھا۔ تقریباً گیارہ مہینے پہلے امیر الامرا علی مردان خاں بھی وفات پا گیا تھا۔ اگر یہ دونوں امیر زندہ ہوتے تو شاید داراشکوہ اپنی مرضی کے مطابق شاہجہاں سے احکام جاری نہ کر سکتا۔ ”شاہجہاں نامہ“ کا بیان ہے کہ داراشکوہ بظاہر تو دولت خواہی میں کوشاں تھا، مگر حقیقتاً اپنی بد خوئی کر رہا تھا۔ شاہجہاں کو اس کی مرضی کے مطابق فرامین بھیجنے میں تامل تھا لیکن ”از فرط غلبہ و وفور تصرف آں بلند قدر در مزاج مبارک امتناع از پیش نہ رفت۔“ اگر سعد اللہ خاں زندہ رہ جاتا تو شاید شاہجہاں کا آخری دور اتنا الم ناک نہ ہوتا (23)۔

داراشکوہ کی دو بیٹیاں اور چار بیٹے تھے۔ لیکن اس کی موت کے وقت صرف دو بیٹے اور ایک بیٹی زندہ تھے۔

1043ھ میں داراشکوہ کے گھر پہلی بیٹی پیدا ہوئی جو انتقال کر گئی (24)۔

26 رمضان 1044ھ کو اس کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام سلیمان شکوہ رکھا گیا۔ جمادی الثانی 1064ھ میں سلیمان شکوہ کی شادی راؤ امر سنگھ کی بیٹی سے ہوئی جسے شادی سے پہلے ضروری آداب کی تعلیم دی گئی اور کلمہ طیبہ پڑھایا گیا۔ 1061ھ میں سلیمان شکوہ کی دوسری شادی ہوئی اور 1067ھ میں تیسری۔ ہر شادی کے موقعہ پر شاہجہاں بادشاہ کی طرف سے خلعت و جواہرات گراں بہا عطا کئے گئے۔ اپنے باپ کی گرفتاری کے بعد، سلیمان شکوہ نے راجہ پر تھی پت زمیندار سری نگر کے پاس پناہ لی۔ راجہ نے اورنگ زیب کے ایلچی کے ساتھ مذاکرات کے بعد سلیمان شکوہ کو قید کر دیا اور پھر اپنے بیٹے کے ہمراہ اورنگ زیب کے پاس بھیج دیا۔ اورنگ زیب نے دو روز کے بعد اسے اپنے حضور میں طلب کیا اور اگلے دن اسے اپنے فرزند محمد سلطان کے ہمراہ قلعہ گوالیار کے قید خانے میں بھیج دیا۔ وہ 11 شوال 1072ھ کو زندان گوالیار میں انتقال کر گیا (25)۔

مہر شکوہ 1048ھ میں پیدا ہوا اور چالیس روز بعد انتقال کر گیا (26)۔

داراشکوہ کا تیسرا بیٹا 1053ھ میں پیدا ہوا۔ شاہجہاں نے اس کا نام ممتاز شکوہ رکھا (27)۔

داراشکوہ کی دوسری بیٹی کا نام پاک نہار بانو بیگم تھا۔ وہ 1051ھ میں پیدا ہوئی (28)۔

داراشکوہ کا چوتھا بیٹا، سپہر شکوہ 1054ھ میں پیدا ہوا۔ جنگ اجمیر میں سپہر شکوہ اپنے باپ کے ہمراہ تھا۔ شکست کے بعد باپ سے جدا نہ ہوا۔ سپہر شکوہ کو بھی قید کر کے باپ کے ساتھ دہلی لائے۔ داراشکوہ کے قتل کے بعد اسے بھی قلعہ گوالیار بھیج دیا گیا (29)۔ مفتی غلام سرور چشتی نے ”خزینۃ الاصفیاء“ میں، جو داراشکوہ کے قتل کے تقریباً دو سو سال بعد تحریر میں آئی، لکھا ہے (30) کہ داراشکوہ کے قتل کے بعد اس کا ایک بیٹا کہ عمر اس کی نو سال تھی اور نگ زیب کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے حال پوچھا تو بچے نے فی البدیہہ کہا:

ہجر دارا بر دل من کم تر از یعقوب نیست
 او پر گم کردہ بود و من پدر گم کردہ ام
 (میرے لئے دارا کی جدائی یعقوب سے کم نہیں، ان کا بیٹا گم ہو گیا تھا اور میرا باپ گم ہو گیا ہے۔)

اور نگ زیب نے یہ کہہ کر اسے قتل کر دیا کہ بھڑیے کو مارنا اور اس کے بچے کی پرورش کرنا عقل مندوں کا کام نہیں۔ مفتی سرور نے اس لڑکے کا نام نہیں لکھا۔ لیکن اس کی یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ بادشاہ نامہ اور شاہجہاں نامہ کے مطابق، داراشکوہ کے قتل کے وقت اس کے صرف دو بیٹے حیات تھے اور ان میں سے کسی کی عمر بھی نو سال کی نہ تھی۔ چھوٹے بیٹے سپہر شکوہ کی عمر پندرہ سال تھی اور اسے اپنے بڑے بھائی سلیمان شکوہ کے ساتھ گوالیار کے قلعے میں قید کر دیا گیا تھا۔ مزید برآں محمد ساقی مستعد خاں نے ماثر عالمگیری میں لکھا ہے (31):

” 21 شوال 1083ھ کو قبلہ عالم (اورنگ زیب عالمگیر) نے اپنی دختر ثریا نقاب نواب زبدۃ النساء بیگم کو شہزادہ سپہر شکوہ کے عقد میں دیا۔ جہاں پناہ، قاضی عبدالوہاب، ملا محمد یعقوب، دریا خاں، بختاور خاں مجلس عقد میں شریک تھے۔ شہزادہ سپہر شکوہ کو خنجر مرصع، سرپچ، مالائے مروارید اور سرہ مروارید عطا کئے گئے۔ ملکہ تقدس ماب گوہر آرا بیگم اور حمیدہ بانو بیگم نے رسوم کتخدائی انجام دیں۔ چھ ہزار سالانہ شہزادہ سپہر شکوہ کا وظیفہ مقرر ہوا۔“

یہاں یہ بیان کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ اورنگ زیب کے اپنے باقی دو بھائیوں کے بارے میں کیا ارادے تھے۔ شاہجہاں کے نام اپنے خط میں وہ لکھتا ہے (32) کہ اب مجھے اس وقت تسلی ہوگی جب وہ دونوں فتنہ پرداز جو بار بار بے غیرتی کو اپنے سر لے چکے ہیں، فرار ہو کر ممالک محروسہ سے باہر ہو جائیں یا توفیق الہی سے گرفتار ہو کر اپنے (مقتول) بھائی کے پہلو میں بیٹھیں:

سر وارث ملک تا بر تن است
تن ملک را فتنہ پیراہن است

(جب تک ملک کے وارث کا سر (اس کے) جسم پر ہے، (اس وقت تک) فتنہ ملک کے جسم کے

لئے پیراہن ہے۔)

حوالے

- 1- داراشکوہ، سفینۃ الاولیاء، مخطوطہ لاہور، نول کشور اڈیشن، 1884ء، صفحہ 117-
ترجمہ: محمد علی لطفی، نفیس اکیڈمی کراچی، طبع ہفتم، مئی 1986ء۔ صفحہ 129۔ ملا عبد الحمید
لاہوری، بادشاہ نامہ، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ۔ 1868ء۔ جلد اول صفحہ 391-
محمد ہاشم خاں (خانی خاں)، منتخب اللباب، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ۔ 1869ء۔
جلد اول صفحہ 281۔ محمد صالح کنبو، عمل صالح الموسوم بہ شاہجہاں نامہ، جلد اول، مجلس ترقی
ادب، 2 کلب روڈ، لاہور۔ طبع دوم جنوری 1967ء۔ صفحات 37، 76۔ شاہنواز خاں،
ماثر الامراء، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ، جلد اول 1888ء، صفحہ 159-
2- شاہجہاں نامہ، جلد سوم صفحہ 300-
3- داراشکوہ، سیکتہ الاولیاء، مرتبہ سید محمد رضا جلالی نائینی و ڈاکٹر تارا چند، طبع
تہران، صفحہ 59-
4- کالکارانجن قانونگو، داراشکوہ (بزبان انگریزی) طبع کلکتہ صفحہ 8-
5- شاہجہاں نامہ، جلد اول صفحہ 229۔ بادشاہ نامہ، جلد اول صفحہ 177۔ منتخب
الباب، جلد اول صفحہ 398-
6- داراشکوہ، صفحہ 22-
7- داراشکوہ صفحہ 38-
8- Francois Bernier, Travels in the Mughal-
Empire, Translated and annotated by
A.Constable

and second edition revised by V.A.Smith,

Oxford University Press, UK. page 6

- فرانسوا برنئے، سفر نامہ مغل سلطنت (ترجمہ بزبان انگریزی) ، آکسفورڈ
یونیورسٹی پریس، برطانیہ، صفحہ 6۔
- 9- حمید الدین خاں، احکام عالمگیری، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، 1993، مع ترجمہ
از خالد حسن قادری، صفحہ 128۔
- 10- احکام عالمگیری، صفحہ 130
- 11- اورنگ زیب عالمگیر، رقعات عالمگیری، مطبع فنی نول کشور، لکھنؤ۔ 1924ء۔
صفحہ 19۔
- 12- احکام عالمگیری، صفحہ 130۔ ماثر الامرا، صفحہ 790
- 13- احکام عالمگیری، صفحہ 128۔
- 14- شیر محمد خاں لودھی، مرآة النیال، کلکتہ 1831ء، صفحہ 258۔
- 15- مرآة النیال، صفحہ 214
- 16- بحوالہ شیخ محمد اکرم، رود کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور۔
- 17- سفر نامہ، صفحہ 26۔
- 18- سفر نامہ، صفحہ 35۔
- 19- محمد اورنگ زیب عالمگیر، رقعات عالمگیر، جلد اول، صفحہ 200, 204 مرتبہ و
صحیح: سید نجیب اشرف ندوی، مطبع معارف، اعظم گڑھ، انڈیا۔
- 20- سفر نامہ، صفحات 46، 57۔
- 21- سیکتہ الاولیاء، مرتبہ سید محمد رضا جلالی نائینی و ڈاکٹر تارا چند، طبع تہران۔ مقدمہ
شازدہ۔
- 22- سفر نامہ، صفحہ 98۔
- 23- شاہجہاں نامہ، جلد سوم صفحہ 212

- 24- شاہجہاں نامہ، جلد دوم صفحہ 3
- 25- شاہجہاں نامہ، جلد دوم صفحات 67,80- جلد سوم صفحہ 263- اس کے علاوہ:
منتخب الباب، جلد اول و جلد دوم-
- 26- شاہجہاں نامہ، جلد دوم صفحہ 242- بادشاہ نامہ، جلد دوم صفحات 101,104
- 27- شاہجہاں نامہ، جلد دوم صفحہ 322- بادشاہ نامہ، جلد دوم صفحات 337,341-
- 28- بادشاہ نامہ، جلد دوم صفحہ 245-
- 29- شاہجہاں نامہ، جلد دوم صفحات 342,348- بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ 388-
- 30- مفتی غلام سرور چشتی، خزینۃ الاصفیاء، 1283ھ- صفحہ 163-
- 31- محمد ساقی مستعد خاں، ماثر عالمگیری، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ-
1871ء- صفحہ 125- ترجمہ: مولوی محمد فدا علی طالب، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع اول،
اپریل 1962ء- صفحہ 139-
- 32- رقعات عالمگیر- صفحہ 218-

135627

حواشی

(17) (i) ان میں سے دو بیٹیوں کے نام تھے: حور نساء بیگم اور جہاں آرا بیگم۔ حور نساء 8 صفر 1022ھ کو پیدا ہوئی اور 4 ربیع الثانی 1025ھ کو انتقال کر گئی۔ جہاں آرا 21 صفر 1023ھ کو پیدا ہوئی اور اس نے تقریباً 69 سال کی عمر میں رمضان 1092ھ میں وفات پائی۔

(ii) ارجمند بانو، جس کا خطاب ممتاز محل تھا، ملکہ نور جہاں کے بھائی یمین الدولہ آصف خاں کی بیٹی تھی۔ وہ شاہجہاں سے شادی کے 21 سال بعد 1040ھ میں انتقال کر گئی۔ آگرہ میں اس کی قبر کے گرد جو عمارت تعمیر کی گئی وہ تاج محل کہلاتی ہے اور دنیا کے سات عجائبات میں شمار ہوتی ہے۔ تاج محل، 50 لاکھ روپے کے خرچ سے، 1052 میں مکمل ہوا۔

(iii) سیکتہ الاولیاء میں داراشکوہ اپنی پیدائش کا یوں ذکر کرتا ہے:
ولادت اس فقیر در خطہ اجمیر بالای ساگر تال روی دادہ، در سلخ صفر نصف شب روز
دوشنبہ سال یک ہزار بست و چہار ہجری۔ چوں در خانہ والد ماجد فقیر سے صیہ شدہ بود و پسر
نمی شد و سن مبارک آنحضرت بست و چہار سالگی رسیدہ بود و از روئی عقیدت و اخلاص
کہ آنحضرت بہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی داشتند، ہزاراں نذر و نیاز در خواست پسر
نمودند و بہرکت ایساں حق تعالیٰ اس کمترین بندہ خود را بوجود آورد۔ امید کہ توفیق نیکو کاری
و رضامندی خود و دوستان خود نصیب گرداند۔ آمین یارب آمین۔

(37) ”حضرت اخوند میرک شیخ کہ استاد علم ظاہر من اند و عالم و فاضل، در

زہد و ورع و حق گوئی ایساں راقدمی است نہایت استوار“

(ح 10) ”رقعات عالم گیری“ (صفحہ 20) میں یہ عبارت یوں درج ہے: ایک معتبر شخص کی زبانی یہ نقل ہم تک پہنچی ہے:

اعلیٰ حضرت (شاہجہاں) نے ایک روز علی مردان خاں اور سعد اللہ خاں کو خلوت خاص میں کہا: مہین پور (داراشکوہ) شان و شوکت کے اسباب اور تجمل و آرائش کے سامان رکھتا ہے، لیکن وہ نیکوں کا دشمن اور بروں کا دوست واقع ہوا ہے:

با بد اں نیک و بد بہ نیکاں است

شجاع میں صرف سیر چشمی کا وصف ہے۔ مراد مجہول کیفیت ہے۔ کھانے پینے کا شوقین ہے۔ شراب میں ہمیشہ مست رہتا ہے۔ اور نگ زیب صاحب عزم اور مال اندیش ہے، اس حکومت کا بوجھ اٹھالے گا۔

(ح 11) داراشکوہ سے یہ برداشت نہیں ہوتا تھا کہ شاہجہاں پر کسی کا اثر اس سے زیادہ ہو۔ چنانچہ وزیر اعظم سعد اللہ خاں کے بارے میں یہ احساس ہونے پر داراشکوہ اس کے خلاف کچھ نہ کچھ کرتا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ داراشکوہ نے بادشاہ سے شکایت کی کہ سعد اللہ خاں نے ہمیں جو پر گئے دیئے وہ ویران و کم حاصل ہیں اور اپنے لئے چن چن کر اچھے علاقے رکھ لئے ہیں۔ سعد اللہ خاں کو جب اس کی خبر ہوئی تو اس نے شہزادے کے وکیل کو بلا کر وہ تمام علاقے اپنی جاگیر میں شامل کر لئے جو شہزادے کے کارکنوں کی نالائقی کے باعث ویران ہو چکے تھے اور ان کے عوض اپنی جاگیر میں سے شہزادے کے وکیل کی مرضی کے مطابق اچھے اچھے علاقے شہزادے کی جاگیر میں شامل کر دیئے۔ ایک دو سال بعد معلوم ہوا کہ وہ آباد علاقے پہلے علاقوں سے بھی زیادہ ویران ہو گئے۔

(ترجمہ منتخب اللباب جلد دوم صفحہ 293-)

(ح 14) میررضی دانش کی غزل یہ ہے (مرآة النیال):

موسیٰ آں شد کہ ایرے تر چمن پرور شود
نکمت گل مایہ شور جنوں در سر شود

ناک را سیراب ساز اے ایر نیساں در بہار
قطرہ تا مے تواند شد چرا گوہر شود

نالہ بلبل نہاں در پردہ برگ گل است
بے دماغم کاش ازیں یک پردہ نازک تر شود

ما بذوق گریہ ہستی در این بزم آمدیم
مے بدہ ساقی بقدری آن کہ چشم تر شود

راز پوشیدن نیاید دانش از بیتاب عشق
در میان انجمن پروانہ خاکستر شود

(ح 22) فقہما کے فیصلے کے مطابق داراشکوہ الحاد و کفر پھیلانے کا مرتکب ہوا تھا۔ اس کو ذبح کر دیا گیا اور ہاتھی کی عماری پر اس کی لاش کو شہر کے بازار اور چوک سے گزارا گیا۔ لوگ اس کی لاش کو دیکھ دیکھ کر بری طرح گریہ و زاری کر رہے تھے۔ داراشکوہ کی لاش اس تشہیر کے بعد ہمایوں کے مقبرے میں لے جا کر دفن کر دی گئی۔
(ترجمہ منتخب اللباب، جلد سوم، صفحہ 94)

☆ شاہجہاں نے اقتدار کی اس جنگ کے دوران ایک خط مہابت خاں صوبہ دار کابل کے نام بھی لکھا۔ اس خط کا ایک ٹکڑا درج ذیل ہے:

عقیدت کیش مہابت خاں کو معلوم ہونا چاہئے کہ زمانے کے ہاتھوں اس مغل

سلطنت کو کتنا بڑا نقصان پہنچا ہے۔ اب فرزند مظلوم شکست کھا کر لاہور چلا گیا ہے۔ اس آڑے وقت میں تم ہی ایک مخلص اور عقیدت مند ہو جو دنیا کے معمولی فائدوں کو خاطر میں لائے بغیر ننگ و ناموس کو سامنے رکھو گے۔

ہم تمہیں اپنا درد دل تحریر کر رہے ہیں اور تم سے مناسب تدارک کی امید رکھتے ہیں۔ دارا شکوہ عنقریب لاہور پہنچ جائے گا۔ لاہور میں خزانے کی کمی نہیں نیز آدمی اور گھوڑے کابل میں بکثرت ہیں۔ اس موقع پر مہابت خاں جیسا بہادر جس کی ہیبت سے زمانہ کانپتا ہے اگر شاہجہاں کی طرح گوشہ نشین رہے تو تعجب ہے۔

مناسب یہ ہے کہ مہابت خاں ایسا بہادر آراستہ لشکر لے کر عزیمت کرے اور جلد لاہور پہنچ کر دارا شکوہ بابا کی رفاقت اور مدد کرے، اور ان دونوں (مراد اور اورنگ زیب) نابر خورداروں کو جزائے اعمال پر پہنچانے کی کوشش کرے اور صاحبقران ثانی (یعنی شاہجہاں) کو قید سے رہائی دلائے۔

(رقعات عالمگیر صفحہ 309)

☆ برنئے نے اپنی کتاب ”سفرنامہ“ میں ایک نئی داستاں مرتب کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ شاہجہاں دارا سے خوش نہ تھا، اور وہ بیمار ہونے کے بعد اپنے آپ کو دارا کا قیدی سمجھتا تھا۔ شاہجہاں کو یہ خوف تھا کہ دارا اسے زہر دے کر ہلاک کر دے گا، چنانچہ وہ اپنے کھانے پینے کے معاملات میں بہت محتاط تھا۔ لیکن کہیں سے بھی اس بات کی تائید نہیں ہوتی۔ دراصل بعض اوقات برنئے انواہوں کو واقعات کا روپ دے کر تاریخ کو مسخ کر ڈالتا ہے۔ برنئے یہ بھی لکھتا ہے کہ دارا شکوہ کی شجاع اور اورنگ زیب و مراد سے جنگ کے وقت، شاہجہاں اپنے جرنیلوں کو سمجھاتا رہا کہ جہاں تک ممکن ہو وہ جنگ سے گریز کریں اور صلح صفائی کی کوشش کریں۔ اس گوگو کی پالیسی کے اختیار کرنے سے آخر کار دارا شکوہ کو شکست ہوئی۔ مزید یہ کہ اگر سموگڑھ کی جنگ میں دارا شکوہ شاہجہاں کو میدان جنگ میں جانے دیتا تو مراد اور اورنگ زیب کے بہت سے امرا جنگ سے گریز کرتے کیونکہ

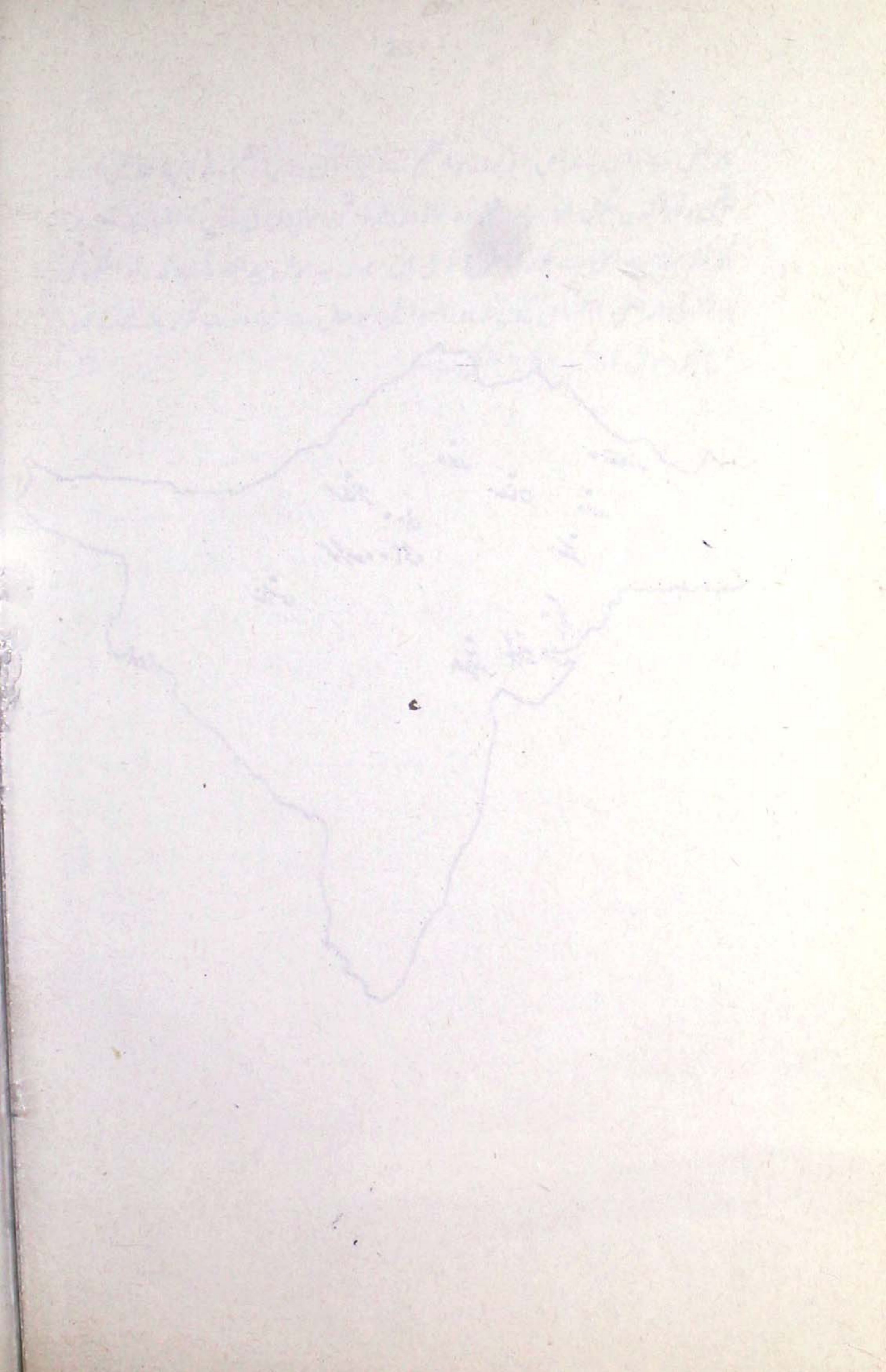
شاہجہاں تمام امرا میں بے حد مقبول تھا۔

برنئے یہ بھی لکھتا ہے کہ داراشکوہ اپنے نوجوان بیٹے سلیمان شکوہ کی بڑھتی ہوئی شہرت اور شجاعت سے خوف زدہ تھا اور اسے یہ ڈر تھا کہ کہیں شاہجہاں اسے ہی بادشاہ نامزد نہ کر دے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے سموگڑھ کی لڑائی میں شاہجہاں اور اس کے امرا کے بار بار کہنے کے باوجود سلیمان شکوہ کی واپسی کا انتظار کئے بغیر مراد اورنگ زیب اتحاد سے جنگ چھیڑ دی اور ناکام رہا۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ جنگ میں شکست کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ شاہجہاں کے امرا داراشکوہ سے خوش نہ تھے۔ اس نے امراء کے ساتھ کبھی اچھا سلوک نہ کیا، کسی کو جوتیوں سے مارا، کسی کو مسخرہ کہا اور کسی کو گویا۔ وزیر اعظم سعد اللہ خاں، امیر الامرا علی مردان خاں اور دیگر بڑے بڑے امرا سے اس کا رویہ نہایت قابل اعتراض تھا۔ وہ ان سے خوش خلقی سے بات کرنے کا روادار نہ تھا اور دھمکیوں پر اتر آتا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سموگڑھ کی جنگ میں بہت سے امرا دل سے داراشکوہ کے ساتھ نہ تھے۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ عملی طور پر جنگ میں حصہ نہ لیا بلکہ دارا کو جنگ سے پہلے اور جنگ کے دوران بھی غلط مشورے دیتے رہے۔ جس کا نتیجہ دارا کی شکست کی صورت میں نکلا۔ اگر ہم دارا کی فوج، ساز و سامان اور اہلیت کا اندازہ کریں تو اس کی شکست کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے دارا بذات خود بھی بہت پر اعتماد تھا، اور محاذ جنگ پر جاتے ہوئے اس نے شاہجہاں سے کہا تھا کہ میں بہت جلد مراد اور اورنگ زیب کو زنجیروں میں جکڑ کر آپ کے قدموں میں ڈال دوں گا، لیکن اسے اس بات کا احساس نہیں تھا کہ اس کے تکبرانہ انداز سے اور بار بار اپنی بیٹی ہونے پر امرا دل سے اس کے خلاف ہو چکے ہیں، اور میدان جنگ میں، اس کی توقعات کے برعکس، وہ عملی طور پر اس کا ساتھ نہیں دیں گے۔

☆ داراشکوہ کے نام وزیر اعظم سعد اللہ کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے (ناظر حسین زیدی (مرتب)، مکتوبات سعد اللہ خاں، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانش گاہ پنجاب، لاہور، 1968ء - صفحہ 81) کہ داراشکوہ کو یہ احساس ہو رہا تھا کہ شاہجہاں اس سے

ناراض ہے۔ اس نے اس کا ذکر وزیر اعظم سے کیا، لیکن وزیر اعظم نے اپنے خط میں اسے یقین دلایا کہ یہ گمان غلط ہے۔ شہزادہ غمازوں اور سخن سازوں کی باتوں کا اعتبار نہ کرے۔ بادشاہ سلامت اس سے پوری طرح خوش ہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ داراشکوہ کو بادشاہ کی ناراضی کا احساس کیوں کر ہوا؟ سو اتین سو سال سے زیادہ مدت گزر جانے کے بعد آج اس سوال کا جواب دینا بڑا مشکل ہے۔





دوسرا باب

سفینۃ الاولیاء اور سکیۃ الاولیاء پر ایک نظر

داراشکوہ کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی عمر سے اس کا رجحان تصوف کی طرف تھا۔ اس نے صوفیوں کی معروف تصانیف کا بہت دقیق اور گہرا مطالعہ کیا تھا۔ لیکن تصوف کے گہرے مطالعے اور مختلف مذاہب کے علماء سے مسلسل رابطے اور بحث و مباحثہ کے بعد اس میں جو سوچ پیدا ہوئی وہ اس کو اس وادی میں لے گئی جس میں اسلام اور ہندو دھرم ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔

داراشکوہ کی پہلی تصنیف ”سفینۃ الاولیاء“ ہے جو داراشکوہ نے 25 سال کی عمر میں 27 رمضان 1049ھ / 1639ء کو مکمل کی (1)۔ داراشکوہ کے دل میں صوفیوں اور درویشوں کے لئے بہت احترام تھا۔ اسے یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ معروف صوفیوں کے حالات زندگی کسی ایک کتاب میں نہیں ملتے۔ ان کی ولادت اور وفات کی تاریخیں معیاری کتابوں، مثلاً ”نجات الانس“، تاریخ یافیہ اور طبقات سلطانیہ میں موجود نہیں۔ چنانچہ اس نے یہ کتاب لکھی۔ اس کتاب کا مقصد تمام مسالک کے صوفیوں کے احوال و فضائل کے علاوہ ان کی تواریخ و وفات درج کرنا ہے۔ تقریباً دو سو صفحے کی کتاب میں رسول اللہؐ، ازواج مطہرات، خلفائے راشدین، اماموں اور صوفیوں سمیت چار سو سے زائد شخصیتوں کے حالات دیئے گئے ہیں۔ اس تصنیف میں داراشکوہ اپنے آپ کو حنفی، قادری لکھتا ہے، یعنی امام ابوحنیفہؒ کا پیروکار اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے سلسلے کا ایک فرد، اور اس خیال کا

اظہار کرتا ہے کہ ان صوفیوں اور بزرگوں کے طفیل جن کی زندگیوں کا حال اس نے اپنی کتاب میں لکھا ہے اس کا مستقبل روشن ہوگا۔ یہ کتاب پہلی دفعہ 1269ھ / 1852ء میں آگرہ میں طبع ہوئی۔ پھر 1872ء میں لکھنؤ سے اور 1884ء میں کانپور سے اس کے ایڈیشن شائع ہوئے۔ اب یہ کتاب بہ تصحیح آقا سید محمد رضا جلالی نائینی تہران میں بھی طبع ہو چکی ہے۔

یہ کتاب شہزادہ داراشکوہ نے عنفوان شباب میں لکھی تھی لیکن اسے پڑھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو روحانی دنیا کا بھی شہزادہ سمجھتا تھا۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ ایک رات خواب میں دیکھا کہ چار بزرگ سفید لباس میں ایک دوسرے کے پیچھے جا رہے ہیں۔ کسی سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ جواب ملا کہ پیغمبرؐ کے چار دوست (خلفائے راشدین) ہیں۔ داراشکوہ بھی ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ یہ سب حضرات ایک دریا سے گزر کر ایک بہت بلند پہاڑ پر پہنچے اور برابر کھڑے ہو گئے۔ داراشکوہ نے باری باری ان سب کو سلام کہا اور فاتحہ کی درخواست کی۔ سب نے سلام کا جواب دیا اور علیحدہ علیحدہ فاتحہ پڑھی۔ پھر داراشکوہ کو عنایات خصوصی کے ساتھ رخصت کیا۔ دارا اس خواب کو اپنے نصیب کی بیداری جانتا ہے اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہے کہ ایسے گراں قدر عطیہ سے مشرف ہوا۔

حکیم سنائی کی بات کرتے ہوئے سنی مذہب سے اپنی عقیدت کا اظہار یوں کرتا ہے۔ ”حدیقہ سنائی میں بعض نامعقول اشعار سننے پر میرے دل میں شک پیدا ہوا۔ چنانچہ جس دن میں غزنی آیا تو اپنے دل میں طے کیا کہ حکیم سنائی کے علاوہ باقی سب اکابر کی زیارت کے لئے جاؤں گا۔ اسی رات خواب میں دیکھا کہ میں غزنی کے مشائخ کے مزارات کی زیارت کر رہا ہوں اور ایک شخص کہتا ہے کہ یہ حکیم سنائی کا مزار ہے۔ وہاں پہنچا تو سنگ سفید کی ایک قبر دیکھی جس پر ہذا قبر حکیم سنائی لکھا تھا اور اس میں شبہ ہے کہ سنی لکھا ہوا ہے یا نہیں۔ میں سمجھ گیا کہ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ حکیم سنی ہیں۔ جب صبح ان کی قبر پر حاضر ہوا تو جس طرح خواب میں دیکھا تھا ان کی قبر سنگ سفید کی تھی۔ یقین ہوا کہ وہ اشعار الحاقی ہیں۔“

ان مختصر سوانحی خاکوں کا اہم پہلو اسلوب نگارش کی سادگی ہے۔ یہ بھی اندازہ کیجئے کہ اس زمانے میں جب تحقیقی مواد اکٹھا کرنے کے جدید ذرائع میسر نہ تھے، تو تاریخ و فات کو اکٹھا کرنا کتنا مشکل اور وقت طلب کام تھا۔ شہزادہ دارا شکوہ نے پتہ مار کر کام کیا اور اس کے لئے وہ تعریف کا مستحق ہے۔

”سیکتہ الاولیاء“ دارا شکوہ کی دوسری کتاب ہے (2)۔ یہ اس نے 1052ھ/1642ء میں لکھنی شروع کی جب اس کی عمر صرف 28 سال تھی، اور 1058ھ تک اس میں اضافے ہوتے رہے۔ اس کتاب میں زیادہ تر سلسلہ قادریہ کے میاں میر (جن کو میاں جیو بھی کہتے ہیں) اور ان کے مرید اور دارا شکوہ کے پیرو مرشد ملا شاہ (جنہیں لسان اللہ بھی کہتے ہیں) کے سوانح ہیں۔ مزید برآں جہاں ان دونوں صوفیان کرام سے بے پناہ عقیدت کا اظہار ہے وہاں تھوڑا سا ذکر میاں میر کے مریدوں کا بھی ہے۔ اور بہت سی خود ستائی بھی ہے۔ چنانچہ دارا شکوہ کہتا ہے کہ 25 سال کی عمر میں جب وہ سو رہا تھا تو ہاتھ غیب کی صدا آئی اور چار بار اس کی تکرار ہوئی کہ ”جو بات روئے زمین کے بادشاہوں کو میسر نہیں آئی، وہ خداوند تعالیٰ نے تمہیں عطا کی۔“ پھر لکھتا ہے کہ ”جو بات کسی طالب کو سالہا سال کی ریاضت و مجاہدہ میں حاصل ہوتی ہے وہ مجھے بغیر ریاضت کے مل گئی۔ دونوں جہانوں کی محبت یکبارگی میرے دل سے نکل گئی اور فضل و رحمت کے دروازے مجھ پر کھل گئے۔“

دارا شکوہ نے اس کتاب میں نہ صرف میاں میر اور ملا شاہ کے حالات لکھے ہیں بلکہ ان سے اپنے تعلقات کو بھی بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ تصوف کے نقطہ نظر سے مختلف مسائل پر بحث کی ہے، مثلاً ”سماع کی خواہش، روحانی معلم کی ضرورت، شیخ کی طلب، رویت باری تعالیٰ۔“

میاں میر کا اصل نام میر محمد تھا۔ وہ سندھ کے شہر سہوان میں پیدا ہوئے۔ سات سال کے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ لیکن علوم آپ نے اچھی طرح حاصل کئے۔ اس کے بعد شیخ سیوستانی کے مرید ہوئے۔ 25 سال کی عمر میں لاہور آئے اور یہاں

ریاضت و عبادت اور تلقین و ہدایت شروع کی۔ آپ کی وفات 1045ھ میں ہوئی اور لاہور سے پانچ میل کے فاصلے پر ایک گاؤں میں دفن ہوئے جو اب میاں میر کہلاتا ہے۔ اس کتاب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاہجہاں میاں میر سے دو دفعہ ملنے گیا۔ پہلی ملاقات 17 شوال 1043ھ کو اس وقت ہوئی جب داراشکوہ بیمار ہوا اور بیماری نے چار ماہ تک طول پکڑا۔ طبیب عاجز آگئے اور بظاہر صحت کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ تب بادشاہ اسے میاں میر کے پاس لے گئے کہ اس کی صحت کے لئے دعا کریں۔ میاں میر نے اپنے مٹی کے پیالے کو پانی سے بھر کر اس پر دعا پڑھی اور پانی پینے کے لئے پیالہ دارا کو دیا۔ پانی پینے کے ایک ہفتہ بعد دارا کی بیماری جاتی رہی۔ چنانچہ میاں میر پر اس کا اعتقاد ہو گیا۔

دوسری مرتبہ بادشاہ داراشکوہ کو ساتھ لے کر 8 رجب 1044ھ کو میاں میر کے ہاں گئے۔ بہت لطیف اور خوشگوار باتیں ہوئیں۔ داراشکوہ ان کا اس حد تک معتقد ہو گیا تھا کہ وہ برہنہ پان کے کمرے کی طرف گیا اور جب بادشاہ سے باتیں کرتے ہوئے وہ لونگ چباتے اور پھینک دیتے تو دارا کمال اخلاص سے انہیں اٹھا کر کھا لیتا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ اسی برکت سے اس کی زبان کو قوت بیان حاصل ہوئی اور طبیعت موزوں ہو گئی۔ میاں میر بھی دارا کو عزیز رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے کہا کہ ”وہ ہماری جان اور ہمارا نور بصر ہے۔“ داراشکوہ راوی ہے کہ بعد میں شاہجہاں بادشاہ نے ہمیشہ میاں میر کی تعریف کی۔

میاں میر کی عظمت کا احساس دلانے کے لئے داراشکوہ مزید لکھتا ہے کہ اگرچہ جہانگیر بادشاہ اولیاء اور درویشوں پر اعتقاد نہ رکھتے تھے بلکہ ان کو تکلیف پہنچاتے۔ انہوں نے میاں میر کو بڑی عزت سے بلایا اور خلاف عادت ان کی بدرجہ کمال تعظیم کی۔ کچھ عرصہ شاہ و درویش اکٹھے رہے اور باتیں ہوتی رہیں۔ میاں میر نے انہیں پند و نصیحت کی جس کا بادشاہ کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ کہنے لگے، سلطنت، جاہ و حشمت، مال و جواہر، جو کچھ میرے پاس موجود ہے میری نظر میں سنگ و خس کے برابر ہے۔ میاں میر نے

کہا: ”صوفی کامل وہ ہوتا ہے جس کی نظر میں مال و جواہر سنگ و خس کے برابر ہو۔ اب جو یہ آپ کی نظر میں یکساں ہیں تو یہ آپ کے کامل صوفی ہونے کی دلیل ہے۔“ مزید کہا کہ آپ کے عدل کی برکت سے ہندوستان میں فقراء بھی تسلی سے اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں۔ اس لئے اس وقت ہندوستان کو آپ جیسے پاسباں کی ضرورت ہے۔ داراشکوہ لکھتا ہے کہ بادشاہ کو ان کی باتیں بہت پسند آئیں۔ اور کیوں نہ آئیں؟

میاں میر ”سماع“ سے بھی شغف رکھتے تھے۔ ہندی راگ کو خوب سمجھتے تھے اور اسے بہت پسند کرتے تھے۔ قوال آتے تو ان سے گانا سنتے لیکن نہ وجد میں آتے نہ رقص کرتے۔ محفل سماع میں نہ کوئی حرکت صادر ہوتی نہ ہاتھ اٹھاتے۔

سماع کے بارے میں ابو بکر مصری کے حوالے سے داراشکوہ نے ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک محفل سماع میں وہ حضرت جنید بغدادی ”اور ابو الحسن نوری“ کے ساتھ تھے۔ قوالی ہو رہی تھی۔ ابو الحسن نوری ”کھڑے ہوئے اور رقص کرنے لگے۔ حضرت جنید ”بیٹھے رہے“ نوری ”ان کے پاس آئے اور کہا کہ اٹھو اور یہ آیت پڑھی۔

إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ (سورہ انعام، 6:36)

(تمہاری دعوت کا وہی جواب دے سکتے ہیں جو تمہاری پکار سنتے ہیں)۔

حضرت جنید ”ایک ذہین اور حاضر جواب صوفی تھے۔ انہوں نے ابو الحسن نوری“ کے جواب میں فوراً یہ آیت پڑھی:

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدًا وَهِيَ تَمْرٌ مِّمَّا السَّحَابِ (سورہ نمل، 27:88)

(اور تو پہاڑوں کو دیکھتا ہے تو انہیں (اپنی جگہ) جما ہوا خیال کرتا ہے اور وہ (قیامت کے دن)

بادلوں کی طرح چلیں گے (اڑتے پھریں گے)۔

مطلب یہ تھا کہ ہم تو جھوم رہے ہیں لیکن تمہیں اس کا اندازہ نہیں۔
 اس موقع پر مولانا ابوالکلام آزاد کی زبانی مسلمانوں میں روح عمل کے فقدان
 پر ایک علمی حقیقت کا بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ عبدالمجید سالک راوی ہیں (3) کہ ایک
 دن تصوف پہ گفتگو کرتے ہوئے مولانا کہنے لگے کہ تصوف کی کتابوں اور اولیاء کے
 تذکروں میں اس قسم کے واقعات اکثر نظر سے گزرتے ہیں کہ ایک بزرگ (خواجہ قطب
 الدین کاکلی) محفل سماع میں بیٹھے تھے۔ مطرب نے (شیخ احمد جام کا) یہ شعر پڑھا:

کشتگان خنجر تسلیم را
 ہر زماں از غیب جانے دیگر است
 (تسلیم و رضا کے خنجر سے قتل ہونے والوں کے لئے ہر دور میں غیب سے نئی زندگی ہے)

حضرت نے سن کر نعرہ لگایا اور بے ہوش ہو گئے۔
 ایک اور بزرگ حضرت بایزید سطامی "بازار میں جا رہے تھے۔ شام کا وقت تھا،
 ایک امرود فروش کی ٹوکری میں صرف ایک امرود باقی رہ گیا تھا اور وہ اسے اٹھا کر صدالگا
 رہا تھا: لم یبقی الا الواحد، لم یبقی الا الواحد (سوائے ایک کے کچھ بھی باقی نہیں)۔
 حضرت سطامی نے نعرہ مارا اور بے ہوش ہو گئے۔

اور حضرت فلاں نے ایک طوائف کو تائب ہونے کی تلقین کی تو اس نے یہ شعر

پڑھا:

در کوئے نیک نامی، ما را گزر ندادند
 گر تو نمی پسندی، تغیر کن قضا را
 (انہوں نے ہمیں نیک نامی کے کوچے سے گزرنے نہیں دیا، اگر تجھے پسند نہیں تو تقدیر کو بدل

حضرت نے نعرہ مارا اور بے ہوش ہو گئے۔

پھر مولانا ابوالکلام نے کہا کہ ایک زمانہ تھا کہ مسلمان نعرہ مارتا تھا تو دشمن بے ہوش ہو جاتے تھے۔ پھر ایسا زمانہ آیا کہ مسلمان خود ہی نعرہ مارتا تھا اور خود ہی بے ہوش ہو جاتا تھا۔

داراشکوہ نے میاں میر کی کئی کرامات بھی بیان کی ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ میاں میر نے بتایا کہ چار فقیر پہاڑوں میں سفر کر رہے تھے، تین دن انہیں کھانے پینے کو کچھ میسر نہ آسکا۔ تب ان میں سے ایک نے کہا، میں آگے چل کر کوئی چیز حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں، تم آہستہ آہستہ چلے آؤ۔ وہ فقیر تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ اس کے ساتھیوں نے راستے میں پھلوں سے لدا ہوا ایک درخت دیکھا جس کی شاخیں پھل کے بوجھ سے جھک کر زمین تک آرہی تھیں۔ درخت کے نیچے ٹھنڈے پانی کا چشمہ بہ رہا تھا۔ فقیر درخت کے نیچے آئے۔ حسب خواہش پھل کھایا، پانی پیا اور کہنے لگے کہ اس جیسا پھل دنیا میں اور کوئی نہیں، شاید یہ بہشت کا میوہ ہے۔ انہوں نے ساتھی کا حصہ لے لیا اور وہاں سے چل پڑے۔ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ وہ ساتھی ان سے آ ملا جو خوراک کا بندوبست کرنے کے لئے گیا تھا۔ وہ بولے افسوس! تم موجود نہ تھے۔ ہمیں میوے سے بھرا ہوا درخت اور بہتا پانی میسر آیا۔ تمہارا حصہ ہم ساتھ لے آئے ہیں۔ اس نے جواب دیا، مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ پھر میاں میر کہنے لگے: ”بابا! وہ درخت، وہ میوہ، وہ چشمہ، وہی فقیر تو تھا جو خوراک کی تلاش میں نکلا تھا۔“ داراشکوہ اپنے ایک ساتھی کی زبانی کہتا ہے کہ وہ فقیر دراصل میاں میر ہی تو تھے:

بسوخت عقل زحیرت کہ اس چہ بوالعجیبت

(عقل حیرت زدہ ہو گئی کہ یہ کیا عجیب بات ہے۔)

داراشکوہ کی زبانی میاں میرؒ کی ایک اور کرامت بھی سن لیجئے:

ایک دن میاں میرؒ باغ میں مشغول ذکر تھے۔ ایک فاختہ درخت کی شاخ پر بیٹھی چمک رہی تھی۔ دفعتاً ایک شخص آیا۔ فاختہ کا شکار کرنے کے لئے اس نے غلہ پھینکا جو فاختہ کے جا لگا۔ وہ درخت سے نیچے آگری اور مر گئی۔ اس شخص کو اتنی مہلت ہی نہ ملی کہ اسے زبح کرتا۔ فاختہ وہیں چھوڑ کر وہ شخص چلا گیا۔ میاں میرؒ بہت آزرده ہوئے اور اپنے ایک مرید سے کہا۔ ”جا اور فاختہ کو اٹھالا۔“ وہ مردہ فاختہ کو آپ کے پاس لے آیا۔ آپ نے اپنا ہاتھ اس پر پھیرا تو وہ فوراً زندہ ہو کر اڑ گئی اور اسی شاخ پر جا بیٹھی۔

اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ ایک گلی میں چوہا مرا پڑا تھا۔ اس میں سے سڑاند آتی تھی۔ میاں میرؒ کے ایک مرید میاں نتھانے کہا، اے مردار اٹھ اور جا۔ چوہا اسی وقت اٹھا اور چل پڑا۔ میاں میرؒ کو یہ بات ناگوار گزری اور میاں نتھا کو اس قسم کی باتوں سے منع کیا۔ داراشکوہ لکھتا ہے کہ منع کرنے کا سبب یہ تھا کہ کہیں اس واقعہ کی شہرت نہ ہو جائے اور آفت کا سبب نہ بنے۔

یعنی داراشکوہ کے اپنے بیان کے مطابق میاں میر صاحب خود تو مردہ کو زندہ کر دیتے تھے لیکن اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ ان کا مرید بھی یہ کام کرے۔ یاد رہے کہ میاں میرؒ کی اپنی ایسی کوئی تحریر نہیں ملتی جس سے ان روایات کی تصدیق ہو سکے۔

ان واقعات کو پڑھ کر آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ داراشکوہ کی سوچ کن خطوط پر استوار ہو رہی تھی۔

1635ء میں جب شاہجہاں لاہور میں قیام پذیر تھا تو داراشکوہ میاں میرؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا۔ لیکن داراشکوہ کو ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا موقع نہ ملا کیونکہ اسی سال میاں میر صاحب کا انتقال ہو گیا۔

1050ھ / 1640ء میں داراشکوہ نے میاں میرؒ کے ایک مرید اور قادری

سلسلے کے ایک شیخ ملاشاہ بدخستانی کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ ان کا نام شاہ محمد تھا۔ اور ان کے دوست اور معتقدین انہیں ”حضرت اخوند“ کہتے تھے۔ داراشکوہ سے ان کی پہلی ملاقات کشمیر میں ہوئی۔ وہیں پر وہ ان سے بیعت ہوا۔ انہوں نے بدرجہ کمال اس کی تربیت کی، ذکر الہی میں مشغول کیا اور بقول اس کے جو کچھ وہ چاہتا تھا، وہ اسے تھوڑے ہی عرصے میں ان کی صحبت، خدمت اور ارشاد کی برکت سے میسر آ گیا۔ ملاشاہ نے داراشکوہ کو اس بات کی بھی تلقین کی کہ وہ ارشاد و ہدایت بھی کرے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ دارا کو اس کی ہمت نہ ہوئی اور کچھ دیر کے لئے اس نے حوصلہ کیا بھی تو بات آگے نہ چلی۔

ملاشاہ داراشکوہ پر بہت شفقت فرماتے تھے کہ جس وقت بھی وہ ان کے پاس جاتا یا پھر وہاں سے رخصت ہوتا تو ملاشاہ کھڑے ہو کر تواضع کرتے۔

ملاشاہ نے داراشکوہ کے لئے ایک غزل بھی لکھی ہے اس کے دو اشعار ملاحظہ

ہوں:

اے بے خبر ز عالم راز نہان دل
روزے شود ترا کہ شوی ہم زبان دل
صاحبقران اول و ثانی قرن چہیت
دارا شکوہ ما شدہ صاحبقران دل

(اے دل کے مخفی رازوں کی دنیا سے بے خبر، تجھے کوئی ایسا دن بھی نصیب ہو کہ تو دل کا ہم زبان ہو جائے۔ صاحبقران اول اور صاحبقران ثانی کس کے قریب ہیں۔ ہمارا داراشکوہ تو صاحبقران دل ہے۔)

جس سال داراشکوہ قندھار کی مہم کی طرف متوجہ ہوا، تو والئی ایران نے چاہا کہ جنگ کرے۔ ملاشاہ نے اپنے ہاتھ سے یہ تحریر کیا۔

وَمَا زَمِيَّتْ اِذْ زَمِيَّتْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی (سورہ انفال، 8:17)

(اور اے پیغمبر) جب تم نے (میدان جنگ میں مٹی بھر کر خاک) پھینکی تو حقیقت یہ ہے کہ تم نے نہیں پھینکی تھی، خدا نے پھینکی تھی)

داراشکوہ لکھتا ہے کہ اسی مہینے لوگوں نے زہر دے کر والئی ایران کو مار دیا۔ یاد رہے کہ آخر کار داراشکوہ کی قدحار کی مہم ناکام ہو گئی تھی!

داراشکوہ لکھتا ہے کہ اس کے مرشد ملاشاہ تیس سال سے دن رات میں ایک لمحہ اور ایک لحظہ بھی نہیں سوئے۔ ہمیشہ بیدار رہتے ہیں لیکن اس نے ان کی آنکھوں میں کبھی تھکاوٹ یا خواب کے آثار نہیں دیکھے بلکہ کمال تروتازگی اور شگفتگی ان کے چہرے سے ظاہر ہوتی ہے۔ لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ (سورہ بقرہ، 2: 255) (اس کی آنکھ کے لئے نہ تو اونگھ ہے نہ دماغ کے لئے نیند) کی صفت میں نے ان میں مشاہدہ کی۔ قرآن مجید میں یہ اللہ تعالیٰ کی صفت بیان کی گئی ہے۔ لیکن داراشکوہ یہ کہہ کر کہ ”جب صوفی حق تعالیٰ میں گم اور نہاں ہو جاتا ہے تو یقیناً حق تعالیٰ کی صفت اس میں ظاہر ہوتی ہے“ اسے اپنے پیر کی صفت ٹھہراتا ہے۔ یاد رہے کہ اسی کتاب میں ملاشاہ کی زبانی یہ بات کہی گئی ہے: ”تیس سال سے زیادہ مدت گزری ہے کہ میں گھڑی بھر کو نہیں سویا۔ ایک دو سال ہوئے ہیں کہ میں ٹانگیں دراز کرتا ہوں اور زمین پر لیٹ جاتا ہوں لیکن نیند قطعاً نہیں آتی۔ تمنا ہی رہتی ہے کہ گھڑی بھر کو نیند آجائے مگر یہ میسر نہیں۔“ یعنی ملاشاہ تو ساہا سال سے تڑپ رہے ہیں کہ گھڑی بھر کے لئے ہی نیند آجائے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے لیکن نیند ان کی آنکھوں میں نہیں اترتی۔ مگر داراشکوہ اپنے مرشد کی اس پریشانی پر فکر مند ہونے کی بجائے ان کی اس حالت کو اللہ کی ایک صفت سے جا ملاتا ہے۔

ملاشاہ کے بارے میں داراشکوہ یہ بھی لکھتا ہے کہ شروع میں وہ سات سال تک عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد صبح تک جس دم کرتے اور ذکر خفی میں مشغول رہتے تھے۔ ایک دن انہوں نے بتایا کہ قادری مسلک میں جس دم کا طریقہ ایسا ہے جو اور کسی مسلک میں نہیں۔ مجھے میاں میر نے یہ طریقہ سکھایا۔ عشاء کی نماز کے بعد میں صبح تک دو

سانسوں میں رات گزارتا تھا۔ کبھی یہ حالت ہو جاتی کہ نفس منقطع ہونے لگتا، لیکن حق تعالیٰ کا فضل شامل حال رہا۔ یاد رہے کہ جس دم میں ہندو یوگیوں کو بھی بے حد مہارت ہے۔ انہوں نے اپنی مشق یہاں تک بڑھائی ہے کہ وہ کئی کئی دن تک سانس لئے بغیر زندہ رہ لیتے ہیں۔

”سکیتہ الاولیاء“ کے مطالعے سے چند اور باتیں بھی سامنے آتی ہیں:
قرآن یہ بتاتا ہے کہ حضرت موسیٰ جب طور پر گئے تو انہیں حکم ہوا کہ

فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ (سورہ طہ، 12:20)

(پس اپنی جوتی اتار دے)

دارا شکوہ یہ کہتا ہے کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب معراج ہوا تو

ارشاد ہوا:

”لا تخلع نعلیک“

(اپنا جوتا نہ اتارو)

یہ آخری عربی عبارت نہ قرآن میں ہے نہ کسی حدیث میں۔

ایک اور جگہ لکھتا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اولیای تحت قبای لا یعرفہم غیرى الا اولیای

(میرے اولیاء میری قبایں پوشیدہ ہیں کوئی انہیں میرے سوائے نہیں پہچانتا، ہاں مگر میری توفیق

(ع)

یہ عبارت قرآن میں تو نہیں ہے اور اس کا کوئی دوسرا حوالہ بھی نہیں۔

داراشکوہ ایک جگہ لکھتا ہے: اولیاء کو موت کے بعد ترقی ہوتی ہے اور کیوں نہ ہو کہ حق تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے:

وَلَا تَعْمَلُوا لِمَنْ يُمُوتُ مِنْكُمْ سَبِيلَ اللَّهِ أَنْ تَكُونُوا حَيَّاءُ ۗ وَلَكِنْ لَا تَعْمَلُوا لِمَنْ يُمُوتُ مِنْكُمْ سَبِيلَ اللَّهِ أَنْ تَكُونُوا حَيَّاءُ ۗ (سورہ بقرہ، 2: 154)

(اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہو جاتے ہیں تو یہ مت کہو کہ مردے ہیں۔ نہیں وہ زندہ ہیں لیکن تم ان کی زندگی کا شعور نہیں رکھتے۔)

حالانکہ یہ آیت کریمہ تو صرف ان لوگوں کے بارے میں ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کئے گئے۔

داراشکوہ لکھتا ہے کہ میاں میر نے اسے بتایا کہ ایک دفعہ ایک شخص ان کے لئے کھانا لایا۔ جب وہ اور ان کا بھائی کھانا شروع کرنے لگے تو اس شخص کو بھی کھانے کو کہا۔ لیکن اس نے معذرت کی اور کہا کہ وہ روزے سے ہے۔ وہ کھانا کھا چکے تو اس نے خالی برتن اٹھائے اور سلام کر کے رخصت ہوا۔ اس کے چلے جانے کے بعد میاں میر سوچتے رہے۔ آخر معلوم ہوا کہ وہ فرشتہ تھا۔ لیجئے پہلی دفعہ پتہ چلا کہ فرشتے بھی روزے رکھتے ہیں۔ یعنی کھاتے پیتے بھی ہیں۔ کیونکہ اگر کھاتے پیتے نہیں تو روزہ رکھنا چہ معنی دارد؟ داراشکوہ کی ان جراتوں پر حیرانی ہوتی ہے۔

مسئلہ رویت حق ایک مشہور مسئلہ ہے۔ معتزلہ کا یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار نہ اس دنیا میں ممکن ہے نہ آخرت میں۔ داراشکوہ کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار اس دنیا میں اور آخرت میں بھی ممکن ہے۔ لیکن جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار صرف آخرت میں ممکن ہے۔ حضرت موسیٰؑ ایک پیغمبر تھے۔ جب انہوں نے کوہ طور پر اللہ تعالیٰ سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔

رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ ط (سورہ اعراف، 7: 143)

(پروردگارا مجھے اپنا جمال دکھا کہ تیری طرف نگاہ کر سکوں)

تو جواب ملا کہ تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔

لَنْ تَرَانِي (سورہ اعراف، 7: 143)

(تو مجھے کبھی نہ دیکھ سکے گا)

ابوالکلام آزاد ”ترجمان القرآن“ میں لکھتے ہیں (4) کہ یہ اس بات کا اعلان ہے کہ انسان اپنے حواس کے ذریعے ذات باری کا مشاہدہ و ادراک نہیں کر سکتا اور اس راہ میں معرفت کی انتہا یہ ہے کہ عجز و نارسائی کا اعتراف کیا جائے۔ یہودیوں نے تورات کے مقابلات کو حقیقت پر معمول کر لیا تھا اور سمجھتے تھے کہ حضرت موسیٰ نے خدا کی تشبیہ دیکھی (خروج، 24: 9)۔ قرآن نے اس غلطی کا ازالہ کر دیا۔ فرمایا جب خدا نے موسیٰ سے کلام کیا تو اس نے کہا کہ میرے سامنے آ جا کہ ایک نگاہ دیکھ لوں۔ یعنی جب غیب سے ندائے حق سنی تو جوش طلب میں بے خود ہو گئے اور لذت مشاہدہ کے حصول کا ولولہ پیدا ہو گیا۔ حکم ہوا پہاڑ کو دیکھ۔ اگر یہ تاب لاسکا تو تو بھی تاب لاسکے گا۔ یعنی جو بات نظارے سے مانع ہے وہ خود تیری ہی ہستی کا عجز ہے۔ یہ بات نہیں کہ نمود حق میں کمی ہو۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر حضرت موسیٰ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کر سکتے تھے تو عام آدمی کی کیا حیثیت ہے، سورہ شوریٰ میں تو یہ بات پوری نوع انسانی کے لئے کہہ دی:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ

رَسُولًا فَيُوحِي بِيَاذِنِهِ مَا يَشَاءُ ط (سورہ شوریٰ، 51: 42)

(اور کسی بشر کو (مجال) نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے، مگر وحی (اشارے) سے یا پردہ کے پیچھے سے، یا وہ کوئی فرشتہ بھیجے، پس وہ اس کے حکم سے جو (اللہ) چاہے وہ وحی کرے (پیغام پہنچا دے))

قرآن حکیم کی ایک اور آیت میں بھی یہ آیا ہے کہ انسان خدا کو نہیں دیکھ

سکتا:

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۝ (سورہ

انعام، 6: 103)

(اسے نگاہیں نہیں پاسکتیں لیکن وہ تمام نگاہوں کو پارہا ہے، وہ بڑا ہی باریک بین اور آگاہ ہے)

داراشکوہ اس بات کا قائل ہے کہ اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو سکتا ہے اور نہ صرف پیغمبر بلکہ اولیاء کرام بھی اسے دیکھ سکتے ہیں۔ دراصل وہ صفات حق کو حق سے جدا مانتا ہے۔ اس لئے خود ہی یہ سوچ کر کہ جب حضرت موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب ملا کہ تو مجھے نہیں دیکھ سکتا، تو اولیائے کرام کے لئے رویت حق کس طرح ممکن ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ تو اس ذات پاک کو بغیر صفات دیکھنا چاہتے تھے، کیونکہ ذات محض غیر متعین ہے، اس لئے اسے دیکھنا ممکن نہیں، البتہ مع صفات کے اسے انسانی آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے۔ اگر یہ بات صحیح بھی ہوتی تو کیا اللہ تعالیٰ خود ہی حضرت موسیٰؑ کو یہ نہ کہہ دیتے کہ تم مجھے صفات کے ساتھ دیکھ سکتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تو حضرت موسیٰؑ ہی نہیں تمام بنی نوع انسان کو بتا دیا کہ تم مجھے (اس دنیا میں) نہیں دیکھ سکتے لیکن داراشکوہ اپنی مرضی کے مطابق تاویلیں کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

مندرجہ بالا تجزیہ سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ داراشکوہ کی اکثر باتیں اسلام کی

تعلیم سے مطابقت نہیں رکھتیں۔

حوالے

- 1- داراشکوہ، سفینۃ الاولیاء، مخطوطہ لاہور، نول کشور اڈیشن، 1884ء۔ - ترجمہ: محمد علی لطفی، نفیس اکیڈمی کراچی، طبع ہفتم، مئی 1986ء۔
- 2- داراشکوہ، سیکتہ الاولیاء، مرتبہ سید محمد رضا جلالی نائینی و ڈاکٹر تارا چند، طبع تہران۔ ترجمہ: مرزا مقبول بیگ بدخشان، پبلیشر لیٹڈ، لاہور۔
- 3- عبدالمجید سالک، یاران کہن، مطبوعات چٹان، لاہور۔ صفحہ 53۔
- 4- ابوالکلام احمد، ترجمان القرآن، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔ جلد دوم، صفحہ 74۔

حواشی

☆ قرآن مجید کی آیات کا اردو ترجمہ مولانا ابوالکلام آزادؒ کے ”ترجمان القرآن“ سے لیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ تفسیر نامکمل ہے اس لئے سورہ مومنوں کے بعد کی آیات کا اردو ترجمہ حافظ نذراحمہ کے ”آسان ترجمہ قرآن مجید“ سے لیا گیا ہے۔ تفسیر کے لئے مولانا ابوالکلام آزادؒ کے ”ترجمان القرآن“ سے استفادہ کیا گیا ہے۔

☆ حضرت سلمان فارسیؓ کی وفات 33ھ میں ہوئی۔ ایک قول کے مطابق انہوں نے 150 سال کی عمر پائی۔ دوسرے قول کے مطابق وہ 350 برس زندہ رہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ انہوں نے 250 برس کی عمر پا کر انتقال کیا۔ داراشکوہ کا خیال ہے کہ یہ آخری روایت ہی صحیح ہے۔

☆ شیخ معروف کرخیؒ (وفات: 200ھ) کو داراشکوہ نے قادری سلسلے میں شمار کیا ہے، اگر ہم یہ بھی تسلیم کر لیں کہ شیخ عبدالقادرؒ (وفات: 561ھ) سے پہلے اسے جنیدی سلسلہ کہتے تھے تو شیخ معروف کرخیؒ، شیخ جنیدؒ (ولادت: 215ھ) کی ولادت سے 15 سال پیشتر انتقال کر چکے تھے۔

☆ شیخ ابو عمر عثمان کو یقینی کہا ہے جب کہ نفحات الانس میں اسے صرف یقینی کہا گیا

☆ خواجہ ابو احمد ابدال چشتی "سلسلہ چشتیہ کے بانی تھے۔ ان کی وفات 355ھ میں ہوئی۔ داراشکوہ نے سلطان ایراہیم ادھم کو جن کی وفات ان کے انتقال سے 193 سال پہلے 162ھ میں ہوئی، سلسلہ چشتیہ میں شمار کیا ہے۔

☆ شیخ جنید "کاسن ولادت یوسف سلیم چشتی کی تاریخ تصوف (علما اکیڈمی، محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور۔ 1976ء۔ صفحہ 205-) سے لیا گیا ہے، باقی تاریخیں اور نام بکراجیت حسرت کی کتاب داراشکوہ (بزبان انگریزی۔ منشی رام منوہر لال پبلشرز، نیو دہلی، طبع دوم 1982ء) سے۔

☆ سفینۃ الاولیاء میں داراشکوہ خلفائے راشدین سے خواب میں اپنی ملاقات کے بارے میں یوں لکھتا ہے:

و ایں فقیر در خواب، سعادت ملازمت خلفائی راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین، مشرف گشتہ، چنانچہ شہی در خواب می بیند کہ چہار کس بہ لباس سپید بزرگانہ متعاقب یکدیگر میروند۔ فقیر از شخصی پرسید کہ انہا چہ کسانند؟ گفت: چہار یار پیغمبر صلعم۔ فقیر از عقب ایشان رواں گشت، ایشان از دریا گزشتہ بر کوہی کہ بسیار بلند بود بر آمدند و برابر ہم استادند۔ فقیر پیش رفتہ اول بخدمت صدیق اکبر گفت السلام علیکم یا صدیق اکبر۔ در جواب فرمودند و علیکم السلام۔ گفتم التماس فاتحہ دارم: فاتحہ خواندند، بعد ازاں ہمیں روش بخدمت حضرت فاروق اعظم و سلام گفتم التماس فاتحہ نمودم۔ ایشان نیز خواندند، دبار ہمیں طور بخدمت عثمان ذوالنورین و حضرت امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہم سلام گفتم و جواب شنیدہ التماس فاتحہ نمودم۔ ایشان نیز در بارہٴ ایں فقیر جدا جدا فاتحہ خواندند و فرمودند، بہت یادگاری امور شدہ ایم و فقیر را بہ عنایت خاصی رخصت فرمودند۔ و ایں خواب را ز بیداری بخت و سعادت مندی کونین خود مبداند کہ پچیس عطیہ عظمیٰ مشرف گشتہ۔ والحمد للہ علی ذالک۔

☆ سفیتہ الاولیاء میں داراشکوہ حکیم سنائی کے سنی ہونے کے بارے میں اپنا خواب یوں بیان کرتا ہے:

چوں در حدیقہ بعضی ابیات نامعقول الحاقی است، از استماع آل در دل این فقیر انکاری بہم رسیدہ جو روزی کہ غزنین داخل میشد بخود قرار دادہ بود کہ بزیاارت جمیع اکابر آنجا مشرف گردد الا حکیم، ہمان شب پیش از آن کہ داخل شود بخواب مینید کہ در زیارت مزارات مشائخ غزنین است و شخصی میگوید کہ این قبر حکیم سنائی است، چوں بانجا رسید قبری از سنگ سفید دید کہ براں نوشته اند: ہذا قبر حکیم سنائی، و دریں شبہ دارو کہ سنی نیز نوشته بودیانہ، چوں چنین مشاہدہ شد، فہمید کہ اشارہ بان کہ حکیم سنی اند، چوں صباح آل زیارت کردا ہماں قبر سنگ سفید بروشی کہ خواب دیدہ بود مشاہدہ نمود۔ یقین شد کہ آن ابیات الحاقی بر مذہبان مبتدع است۔

تیسرا باب

رسالہ حق نما

داراشکوہ کی تیسری تصنیف ”رسالہ حق نما“ تقریباً 30 صفحوں کا ایک مختصر رسالہ ہے (1)۔ جو 1056ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچا:

ایں رسالہ حق نما باشد تمام
در ہزار و پنچہ و شش شد تمام
ہست از قادر، بدان از قادری
آنچہ ما گفتیم فافہم والسلام

(یہ رسالہ حق نما 1056ھ) میں مکمل ہوا۔ یہ قادر (مطلق) کی طرف سے ہے، اسے قادری (داراشکوہ کا تخلص) کی طرف سے نہ جان۔ جو کچھ ہم نے کہا پس اسے سمجھ لو، والسلام)

غالباً اس رسالے کا نام ”نادر الزکات“ بھی ہے کیونکہ مولوی محفوظ الحق کے مطابق ASB Curzon Collection میں اس کے مسودے کی ایک نقل پر ٹائٹل کے طور پر نادر الزکات تحریر ہے (2)۔ یہ رسالہ داراشکوہ کے قادری سلسلہ میں شامل ہونے کے بعد لکھا گیا۔ صوفیوں سے داراشکوہ کے بہت قریبی تعلقات تھے۔ تجرید، تفرید، عرفان اور توحید کے مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد، 8 رجب 1055ھ بروز

جمعہ اسے کشف ہوا کہ تصوف کے تمام سلسلوں میں قادری سلسلہ بہترین ہے۔ داراشکوہ کے مطابق رسول اکرم ﷺ سے شروع ہو کر یہ سلسلہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، "میاں میر" اور ملاشاہ سے ہوتا ہوا، اس تک پہنچتا ہے۔

داراشکوہ نے یہ رسالہ حقیقت کی تلاش میں سرگرداں اشخاص کے لئے لکھا ہے۔ اس رسالے کے تعارف میں وہ کہتا ہے کہ بزرگ کامل کی صحبت کے بغیر یہ رسالہ پڑھنا نہیں چاہئے۔ اس میں روحانی ارتقاء کے مختلف مراحل کا خلاصہ دیا ہوا ہے اور روحانی تکمیل کے سب سے بلند درجوں پر پہنچنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ اس کے لئے ایک روحانی رہنما کی ضرورت ہے، جو متلاشی حق کو دنیا داری اور بے پرواہی کے دام سے آزاد کر کے محبوب حقیقی سے آشنا کرے۔ عمل کے لئے محنت و مشقت اور زہد و ورع لازمی ہیں اور اسی سے متلاشی حق آخر کار محبوب حقیقی کے جلوے سے سرفراز ہوتا ہے۔ اس تک پہنچنے کے دو راستے ہیں۔ ایک تو فضل کا اور دوسرا مجاہدہ و ریاضت کا۔ اگر کوئی خدا رسیدہ شخص یہ رسالہ دیکھے گا تو وہ بجا طور پر محسوس کرے گا کہ شہزادہ ہونے کے باوجود مجھ پر فیض الہی اور علم و عرفان کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں تاکہ انسانوں کو علم ہو کہ خدا کا فضل کسی سبب کا محتاج نہیں۔ وہ جسے چاہتا ہے اس سے فیض یاب کرتا ہے۔ علم الہی کی یہ دولت ہر ایک کے مقدر میں نہیں۔ داراشکوہ کے لئے یہ اس کا عطیہ خاص ہے۔

داراشکوہ کہتا ہے کہ اس کی پہلی تصنیف "سفیۃ الاولیاء" ان دنوں کی یادگار ہے جب وہ مرشد کامل کی تلاش میں تھا۔ اس نے اپنی دوسری کتاب "سکیتہ الاولیاء" اس وقت لکھی جب اسے مرشد کامل کی صحبت نصیب ہو گئی تھی اور سلوک و مقامات کی راہوں کا علم حاصل ہو گیا تھا، اور اب جب کہ خدا نے اس پر توحید و عرفان کے دروازے کھول دیئے ہیں، وہ ان کا اظہار اسی رسالے میں کر رہا ہے جو "فتوحات"، "فصوص الحکم" اور تصوف پر دوسری کتابوں کا خلاصہ ہے۔

یہ رسالہ چھ فصلوں (حصوں) پر مشتمل ہے۔ چار حصے "ناسوت" (انسانی دنیا)، "ملکوت" (غیر مرنی دنیا)، "جبروت" (فردوس اعلیٰ) اور "لاہوت" (عالم الہی) سے تعلق

رکتے ہیں۔ پانچواں اور چھٹا حصہ ”ہویات“ (الہی جوہر) سے متعلق ہے۔
 اس رسالے میں داراشکوہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس میں اوضاع و اطوار،
 نشست و برخاست اور اعمال و اشغال کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا رسول اکرم
 ﷺ کے طریق سے سرمو فرق و تجاوز نہیں ہے۔ لیکن رسالے کے مطالعے سے پتہ چلتا
 ہے کہ مذکورہ طریقہ دراصل یوگانظام کی ایک نقل ہے۔ رسالہ میں صوفیانہ زبان استعمال
 کی گئی ہے اور عبارت کو شعروں اور رباعیات سے مزین کیا گیا ہے۔ نو آموز کو دوست یا
 یار کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ داراشکوہ کے مطابق الہامی تعلق حاصل کرنے کے لئے یہ مشقیں
 رسول خدا سے سیکھی گئی ہیں اور چونکہ یہ ہر کس و ناکس کی بجائے صرف چیدہ اشخاص کو
 بتلائی گئی تھیں، ظاہری اسلام کے ماننے والوں پر ان کا انکشاف نہیں ہوا۔ لیکن یہ بات
 درست نہیں کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ

(سورہ مائدہ، 67:5)

(اے پیغمبر، تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر جو کچھ نازل ہوا ہے، اسے خدا کے بندوں تک
 پہنچا دو (اور دشمنوں کی مخالفت کی کچھ پرواہ نہ کرو) اگر تم نے ایسا نہ کیا تو (پھر) خدا کا پیغام نہیں پہنچایا
 (یعنی فرض رسالت ادا کرنے میں کوتاہی کی))

اس حکم خداوندی کے بعد اس کے کسی پیغام کو چیدہ چیدہ اشخاص تک محدود رکھنے کی
 کوئی گنجائش نہیں۔

اس رسالے میں بھی داراشکوہ جس دم کی بات کرتا ہے کہ اس کے مرشد ملا
 شاہ پندرہ سال سے نماز عشاء کے بعد صبح کی نماز تک جس دم کرتے رہے، خواہ راتیں
 طویل ہوتیں خواہ مختصر۔ تیسرے۔ ان کی نیند بالکل ختم ہو گئی۔ اس نکتہ پر ہم دوسرے باب میں
 روشنی ڈال چکے ہیں۔

وحدت الوجود کے بارے میں دارا شکوہ کا نقطہ نظر وہی ہے جو ابن عربی،
عبدالکریم جیلی اور ان کے ہم خیال صوفیاء کا۔ یہاں ہم ایک معروف بزرگ کے دو شعر
نقل کر رہے ہیں:

صفات و ذات چو از ہم جدا نمی بینم
بہر چہ می نگرم، جز خدا نمی بینم

(میں صفات (خداوندی) اور ذات (خداوندی) کو ایک دوسرے سے جدا نہیں دیکھتا ہوں) (اس
لئے) میں خدا کے سوا کچھ اور نہیں دیکھتا ہوں)

اور

گر نبودی ذات حق اندر وجود
آب و گل را کے ملک کردی وجود؟
(اگر ذات الہی وجود (آدم) میں نہ ہوتی، تو فریختے آب و گل کو سجدہ کیوں کرتے؟)

یہ رسالہ 1874ء اور 1910ء میں لکھنؤ سے شائع ہوا۔ 1941ء میں اس کا
متن مع انگریزی ترجمے کے الہ آباد سے طبع ہوا۔ ایران میں یہ رسالہ مع مجمع البحرین اور
اپٹہ منڈک، ”منتجات آثار“ کے نام سے آقای محمد رضا جلالی نائینی نے تہران سے
شائع کیا۔

حوالے

- 1- داراشکوہ رسالہ حق نما نول کشور پریس، لکھنؤ، 1910ء۔ (اس کے علاوہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں ”رسائل تصوف“ میں شامل ہے۔ مسودہ J 415-) ترجمہ: مولوی احمد علی بیالوی، ”اللہ والے کی قومی دکان“، کشمیری بازار لاہور۔
- 2- بحوالہ ”مجمع البحرین“ مرتبہ محمد محفوظ الحق، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ۔ 1929ء۔ صفحہ 16۔ (تعارف بزبان انگریزی)۔

حواشی

☆ دارا شکوہ لکھتا ہے: معلوم کر کہ جب سب کچھ وہی ہے تو پھر تو کون ہے؟ اس کے سوا کوئی اور علاج نہیں کہ اپنے آپ کو بنی عین جانے اور من و تو کے گمان میں نہ رہے۔ یہی توحید و تجلی ذاتی کی حیثیت ہے۔

☆ اس رسالے کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پنڈتوں اور یوگیوں کے اثرات دارا شکوہ پر ظاہر ہونے شروع ہو گئے تھے۔

چوتھا باب

حسنت العارفين

حسنت العارفين یا شطحيات داراشکوہ کی چوتھی کتاب ہے (1)۔ یہ صوفیوں کے ان مجذوبانہ خیالات کا مجموعہ ہے، جو اسلام کے مروجہ عقائد کے خلاف معلوم ہوتے ہیں۔ مصنف اس کتاب کے تعارف میں رقم طراز ہے کہ بے خودی کے لمحوں میں اعلیٰ حقائق کا انکشاف غرض مند حلقوں کی طرف سے سنجیدہ اعتراضات کا باعث ہوا ہے۔ کیونکہ میں سالکوں کی موجودہ کتابوں سے غیر مطمئن رہا ہوں اور کبھی کبھار اپنی بے خودی کی حالت میں ایسے الفاظ کہ جاتا ہوں جن میں ارفع سچائیاں ہیں، تو بعض بد فطرت اور غیر مخلص لوگ اپنے کھوکھلے علم کی وجہ سے مجھ پر طنز کرتے، بدعات کا حامل ہونے کا الزام لگاتے اور مرتد کہتے ہیں، اس پر میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ میں ممتاز اور مقدس ہستیوں کے ان اقوال کو جنہیں شطحيات کہا جاتا ہے، تحریر میں لاؤں تاکہ وہ لوگ بھی قائل ہو سکیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بجائے دجال، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بجائے فرعون اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے ابو جہل کا مشرب اختیار کئے ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض اقوال، نقل اکٹھے کر چکا تھا جو استعاروں میں تھے، میں نے نہ صرف ان کو سادہ زبان اور غیر مبہم انداز میں لکھا ہے بلکہ ان میں اضافہ بھی کیا ہے۔ درحقیقت یہ کتاب لکھ کر میں نے اپنے اوپر الزام لگانے والوں کو دریدہ دہنی سے روکا ہے۔

داراشکوہ کے اس بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مذہبی معاملات پر اس کے لبرل

اور بے باک خیالات کی وجہ سے راسخ العقیدہ مسلمان کس حد تک اس کے خلاف ہو چکے تھے۔ شہزادے کی اپنی تحریر اس کے اضطراب کی گواہ ہے۔ وہ تسلیم کرتا ہے کہ لوگ اسے مرتد اور بدعتی کہتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ وہ زمانہ ہے جب شہزادہ دارا شکوہ اپنے اختیار کے عروج پر تھا اور اس کے بھائی اس سے دور اپنے اپنے صوبوں میں بیٹھے تھے۔ دارا شکوہ نے اپنے دفاع کے لئے ان صوفیوں کے ملفوظات جمع کئے جو ایسے معاملات میں اس جیسے یا اس سے زیادہ آزاد خیال تھے۔

اس کتاب میں دارا شکوہ نے نہ صرف مختلف بزرگوں اور صوفیوں کے مجذوبانہ اقوال کو جمع کیا ہے بلکہ اپنے خیال میں 'رسول اللہ ﷺ' خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، 'امام زین العابدین' اور امام جعفر صادقؑ کے اقوال بھی اکٹھے کئے ہیں۔ دارا نے کتاب کے آخر میں یہ کہا ہے کہ حقیقت کی جستجو کرنے والے بعض لوگوں نے مجھے تصنیف میں اپنی شطیحات بھی شامل کرنے کے لئے کہا ہے لیکن میں نے ان کو یہ جواب دیا کہ اس مجموعے کی تمام شطیحات میری ہی ہیں۔

دارا شکوہ نے 1062ھ میں 38 برس کی عمر میں یہ کتاب لکھنی شروع کی اور 1064ھ میں ربیع الاول کے آخری دن 'بروز پیر' سے مکمل کر لیا۔ اپنی اس کتاب کے نفس مضمون کے بارے میں وہ لکھتا ہے کہ ان معاملات کا ذوق رکھنے والا اور ان باتوں سے مستفید ہونے والا شخص ایک خوش قسمت ہستی ہے۔ رب کریم نے جن و انسان کو عبادت کے لئے ہی پیدا کیا ہے۔ اس کے نزدیک عبادت کا مفہوم عرفان ہے۔ پس توحید اور معرفت سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں۔

صوفیائے کرام کی شطیحات کی شرح کرتے ہوئے، دارا شکوہ بہت سی جگہوں پر اپنے ذاتی حوالے بھی دیتا ہے۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

شیخ عبد اللہ انصاری کہتے ہیں کہ میں نے حلاج کے عقیدے سے آگے بڑھ کر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ حلاج نے تو حق کو اپنی ذات تک محدود رکھا تھا جبکہ میں سب کو حق دیکھتا ہوں۔ دارا شکوہ کہتا ہے کہ میں نے ان خیالات کا اظہار اپنی اس رباعی میں کیا

عارف بخود اطلاقِ خدائی کند
از ذات لطیف خود جدائی کند
گر بندہ کسی بود، خدا او باشد
چوں جملہ خداست خود نمائی کند

(عارف اپنے آپ پر خدائی کا اطلاق نہیں کرتا ہے، اپنی ذات لطیف سے جدائی (اختیار)

نہیں کرتا ہے۔ اگر کوئی بندہ ہو، تو خدا ہوگا، چونکہ سب کچھ خدا ہے، (اس لئے) خود نمائی نہیں کرتا)

پرگنہ باڑی کے رہنے والے ایک صوفی کو دارا شکوہ جان بوجھ کر ”حضرت
باری“ کہتا ہے۔ وہ انہیں اپنا ایک معلم کہتا ہے جو صبر و تحمل، تجرید اور توحید میں بے مثال
ہیں۔ ان کی شطیحات تحریر کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ میں نے کئی سال ان کی خدمت کی اور
ان کا نام جاننے کی مسلسل کوشش کی، مگر انہوں نے کبھی بھی اپنا نام نہ بتایا، اور یہ جواب
دیا کہ تمام اسماء اسی کے ہیں اور فقیروں کے کوئی نام نہیں ہوتے۔
اس پر دارا شکوہ نے یہ رباعی لکھی۔

یک ذرہ ندیدیم ز خورشید جدا
ہر قطرۂ آب ہست عین دریا
حق را بچہ نام کس بتواند خواندن؟
ہر نام کہ ہست، ہست از اسمائے خدا

(ہم نے کسی ذرے کو سورج سے جدا نہیں دیکھا، پانی کا ہر قطرہ عین سمندر ہے۔ حق کو کوئی

کس نام سے پکار سکتا ہے؟ ہر نام، خدا کے ناموں میں سے ہے)

ان کے بارے میں دارا شکوہ لکھتا ہے کہ وہ نہ کھانا کھاتے تھے اور نہ سوتے

تھے، نہ ہی ان کا کوئی مرید یا ملازم تھا۔ ایک دفعہ میں نے جرات کر کے ان سے پوچھ ہی لیا کہ انہوں نے کس سے علم حاصل کیا تھا۔ ترت جواب ملا کہ میں نے ملا اور پنڈت دونوں کو ختم کر دیا تھا۔ اس لئے علم کس سے حاصل کرتا۔ جب بھی میں ان سے رخصت ہوتا، میرے آنسو بہنے لگتے۔ وہ ہمیشہ کہتے کہ اگرچہ انہیں مجھ سے بے حد محبت اور پیار ہے مگر وہ اپنے آپ کو ان بندشوں میں محصور نہیں کر سکتے۔ ان کو میرے معاملات کا ہمیشہ علم ہوتا اور مجھے آنے والے واقعات سے متنبہ کرتے رہتے۔ ایک دفعہ میں آدمی رات کو ان کی خدمت میں حاضر تھا۔ مجھے اپنے استاد میاں میر کی یاد آئی۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے، چند قدم چلے اور جب مڑے تو میرے روحانی پیشوا کی شکل میں تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ بیٹھ گئے اور اپنی صورت میں آگئے۔ میں سمجھ گیا کہ جو کچھ میرے دل پر گزرا تھا اس کا انہیں علم ہو گیا تھا۔ ان کی ایک کرامت یہ تھی کہ جنگل درندے، پرندے، نباتات اور جمادات سب ان سے باتیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے ان سے کسی بات پر مشورہ لیا تو میرا گھوڑا جسے میں درخت سے باندھ آیا تھا، یکایک بولنے لگا اور ان کے مشورے کی تصدیق کی۔

ایک رات ایک جگنو ہوا میں بلندی پر اڑ رہا تھا۔ انہوں نے ہندی کا ایک شعر پڑھا، جس کا مطلب یہ تھا کہ تم میری محبت کے شعلے کی ایک چنگاری ہو۔ اس کے بعد انہوں نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا، اور جگنو نیچے آکر ان کے ہاتھ پر بیٹھ گیا۔

اپنی وفات سے 12 دن پہلے انہوں نے مجھے بتایا کہ اب زمین ان کا بوجھ اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہے۔ وہ 15 ربیع الاول 1062ھ کو انتقال کر گئے۔ ان کو پرگنہ باڑی میں دفن دیا گیا۔

از مرگ نباشد اہل دل را آزار
کز خواب نترسد چو بود دل بیدار
گر جان تو جسم را بینداخت چه شد؟
چوں کہنہ شود پوست بیندازد مار

(موت سے اہل دل کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی، کیونکہ جب دل بیدار ہوتا ہے تو وہ خواب سے نہیں ڈرتا۔ اگر تیری روح نے تیرے جسم کو چھوڑ دیا تو کیا ہوا؟ جب کھال پرانی ہو جاتی ہے تو سانپ اسے اتار پھینکتا ہے۔)

قرآن کے رموز پر دارا شکوہ اور ان کے مرشد ملا شاہ کے غور و فکر کی دو مثالیں پیش ہیں۔
ملا شاہ آیہ مبارکہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ سُكَارَىٰ (سورہ نساء، 4:43)
(مسلمانو۔ ایسا کبھی نہ کرو کہ تم نشہ میں ہو اور نماز کا ارادہ کرو)

کی تفسیروں کرتے ہیں:

اے وہ لوگو کہ ایمان حقیقی لاپکے ہو، سکر و مستی کی حالت میں نماز نہ پڑھو۔ سکر نماز سے بلند تر کیفیت ہے۔ اگر نشہ مجازی ہے تو اس میں نماز پڑھنا ممنوع ہے تاکہ نماز اس سے ملوث نہ ہو۔ اس صورت میں مقام عزت نماز کے لئے ہے، اور اگر سکر حقیقی ہے پھر بھی نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ اس صورت میں مقام عزت سکر کے لئے ہے۔

اب آپ خود ہی سوچئے کہ یہ کون سا اسلام ہے؟ اور یہ کون سی تشریح ہے؟
ملا شاہ ایک اور آیہ مبارکہ

نَحْنُمُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ

(سورہ بقرہ، 2:7)

(ان کے دلوں اور کانوں پر اللہ نے مہر لگادی اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا، سو ان کے لئے

عذاب جانکاہ ہے)

کی تفسیروں کرتے ہیں:

یہ (آیت) خاص لوگوں کے لئے ہے۔ ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے تاکہ ان کے دلوں میں کوئی غیر نہ آئے اور ان کی آنکھیں کسی غیر کو نہ دیکھیں اور ان کے کان غیر کو نہ سنیں اور خود ان کے لئے اس کفر میں بہت لذت و حلاوت ہے۔

اور باتیں تو اپنی جگہ ”عذاب عظیم“ کا ترجمہ ”کفر میں بہت لذت و حلاوت ہے“ آنکھوں میں دھول جھونکنے والی بات ہے۔ دراصل یہ تشریح ملا شاہ کی اپنی نہیں۔ انہوں نے ابن عربی کی ”فتوحات“ سے مستعار لی ہے۔ وہاں یہ آیات درج ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ (سورہ بقرہ، 2: 6، 7)

ابن عربی ان کی تشریح کرتے ہیں (2):

جنہوں نے اللہ کا ایمان اپنے دلوں میں چھپالیا، ان کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ وہ میرے سوا کسی کو خاطر میں نہیں لاتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان بھر کر ان پر مہر لگادی ہے۔ اب ان میں کسی اور کی سمائی باقی نہیں رہی۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے ترجمہ یوں کیا ہے (3):

(لیکن) وہ لوگ جنہوں نے (ایمان کی جگہ) انکار کی راہ اختیار کی (اور سچائی کے سننے اور قبول کرنے کی استعداد کھودی) تو ان کے لئے ہدایت کی تمام تر صدائیں بے کار ہیں، تم انہیں (انکار حقائق کے نتائج سے) خبردار کرو یا نہ کرو، وہ ماننے والے نہیں۔ ان کے کانوں اور دلوں پر اللہ نے مہر لگادی اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے قلم سے ان آیات کی ترجمانی حسب ذیل ہے (4)۔

جن لوگوں نے (ان باتوں کو تسلیم کرنے سے) انکار کر دیا ان کے لئے یکساں ہے

خواہ تم انہیں خبردار کرو یا نہ کرو، بہر حال وہ ماننے والے نہیں ہیں۔ اللہ نے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگادی ہے، اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔

گویا جن لوگوں کو قرآن مردود قرار دیتا ہے، ابن عربی اور ملا شاہ ان کو سب سے بڑا موحد ٹھہرا رہے ہیں۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ ابن عربی کی ”فتوحات“ کے حوالے سے بعض لوگوں نے اس عبارت کو الحاقی قرار دیا ہے اور ادھر ملا شاہ کے حوالے سے ساری باتیں داراشکوہ ہی کر رہا ہے!

داراشکوہ بعض آیات مبارکہ کو شطحیات الہی کے عنوان کے تحت لکھتا ہے۔
آئیے اس کی تشریح پر غور کریں:

1- هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ (سورہ حدید، 3:57)

(وہی اول ہے اور وہی آخر ہے، اور وہی ظاہر اور باطن ہے)

داراشکوہ کے بقول اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ وجود مجھ میں ہے اور سب کچھ میں ہوں۔ یعنی کسی چیز کا کوئی وجود نہیں، سب کچھ وہ خود ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں سید ابوالاعلیٰ مودودی ”تفہیم القرآن“ میں لکھتے ہیں (5):

جب کچھ نہ تھا تو وہ (یعنی خدا) تھا اور جب کچھ نہ رہے گا تو وہ رہے گا۔ وہ سب

ظاہروں سے بڑھ کر ظاہر ہے کیونکہ دنیا میں جو کچھ بھی ظہور ہے اسی کی صفات اور اسی کے افعال اور اسی کے نور کا ظہور ہے، اور وہ ہر مخفی سے بڑھ کر مخفی ہے۔ کیونکہ جو اس سے اس کی ذات تو محسوس کرنا تو درکنار، عقل و فکر و خیال تک اس کے کنہ اور حقیقت کو نہیں پاسکتے۔

2- فَأَيْنَمَا تُولَّوْا فَنَّمَّ وَجْهَ اللَّهِ (سورہ بقرہ، 2:115)

(سو جس طرف تم منہ کرو اسی طرف اللہ کا سامنا ہے)

داراشکوہ اس آیت کا یہ مفہوم لیتا ہے کہ تم کسی طرف بھی اپنا چہرہ کر لو، میرا ہی چہرہ ہو گا یعنی تمہارا چہرہ میرا چہرہ ہے۔

سید ابو الاعلیٰ مودودی ”تفہیم القرآن“ میں لکھتے ہیں (6): اللہ نہ شرقی ہے نہ غربی۔ وہ تمام سمتوں اور مقاموں کا مالک ہے، مگر خود کسی سمت یا کسی مقام میں مقید نہیں ہے۔ لہذا اس کی عبادت کے لئے کسی سمت یا کسی مقام کو مقرر کرنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اللہ وہاں یا اس طرف رہتا ہے، اور نہ یہ جھگڑنے اور بحث کرنے کے قابل بات ہے کہ پہلے تم وہاں یا اس طرف عبادت کرتے تھے، اب تم نے اسی جگہ یا سمت کو کیوں بدل دیا۔

3- اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (سورہ فتح،

(10:48)

(بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں اور اس کے سوا نہیں کہ وہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے)

داراشکوہ لکھتا ہے کہ جس ہاتھ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس نے اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی، اور اللہ کا ہاتھ کہ ہاتھوں کے اوپر ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ ہے۔

مولانا مودودی ”لکھتے ہیں (7): جس ہاتھ پر لوگ اس وقت بیعت کر رہے تھے وہ شخص رسول کا ہاتھ نہیں بلکہ اللہ کے نمائندے کا ہاتھ تھا اور یہ بیعت رسول کے واسطے سے درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو رہی تھی۔

اس کتاب کے مطالعے سے نہ صرف داراشکوہ کی سوچ بلکہ اس کے مزاج کا

بھی پتہ چلتا ہے۔

حوالے

- 1- دارا شکوہ، حسانت العارفین (شطیحات) 'مجتبائی پریس' دہلی۔ 1309ھ۔ و مخطوطہ نمبر 1242، عربی سیکشن، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور۔
- 2- محی الدین ابن عربی، فتوحات مکیہ۔ دارالکتب العربیہ الکبریٰ، مصر۔
- 3- ابوالکلام احمد، ترجمان القرآن، جلد اول، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔
- 4- ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، جولائی 1994ء۔ جلد اول، صفحہ 52۔
- 5- تفہیم القرآن، جلد پنجم، صفحہ 303۔
- 6- تفہیم القرآن، جلد اول، صفحہ 105۔
- 7- تفہیم القرآن، جلد پنجم، صفحہ 49۔

حواشی

☆ داراشکوہ "حنات العارفین" میں لکھتا ہے:

اما بعد میگوید بے حزن و اندوہ محمد داراشکوہ چوں دریں ایام کہ سال یک ہزار و شصت و دو ہجری سال سی و ہشتم است از ولادت این فقیر۔ خاطر بالکلیہ از کتب اہل سلوک و طریقت ملوک گردیدہ بود و جز توحید صرف منظور نبود و از روی وجد و ذوق اکثر کلمات بلند حقایق و معارف سر بریزد، پست فطرتان دون ہمت و زاہدان خشک بے جلالت، از کوتاہ بینی در حسد و طعن و انکار میشدند، بنا بر این بخاطر این فقیر رسید کہ آنچه از کبرائی موحدان و بزرگان و عارفان کہ بہترین مخلوقات این وقت اند و راست بازاں در معاملات اند، سخنان بلند کہ آنرا متشابہات شطیحات نامند صادر شدہ و در کتب رسائل این قوم متفرق است۔ با آنچه از عارفان این وقت شنیدہ، جمع نماید تاجت قاطع و برہان ساطع برد جاہلہ عیسیٰ نفساں و فراعنہ موسیٰ صفتان، و ابو جملای محمدی مشربان باشد۔

☆ ملا شاہ کے حوالے سے "حنات العارفین" میں لکھا ہے۔

اے کسایکہ ایمان حقیقی آورده اید نزدیک نماز نشوید در وقتیکہ در حالت سکر و مستی مقید، سکر حالت بلند ترست از نماز گزاردن، اگر مستی مجازیت قرب نماز ممنوع است تا نماز ملوث نشود۔ دریں صورت عزت نماز است، و اگر سکر حقیقی است باز ہم قرب نماز ممنوع است دریں صورت عزت سکر است۔ مصلیٰ نماز کہ خواند۔

پانچواں باب

مجمع البحرین-----ایک جائزہ

اب تک داراشکوہ نے جتنا کام کیا تھا وہ مسلمان صوفیوں پر تھا۔ بس ”حسنت العارفین“ میں ایک نام ہندو یوگی بابالال کا آیا تھا۔ لیکن اس دوران دارانے ہندو فلسفے اور مذہب کا گہرا مطالعہ کیا اور وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اسلام اور ہندو دھرم میں صرف اصطلاحات کا فرق ہے۔ بنیادی عقائد وہی ہیں۔ اس نے اپنے ان خیالات کا اظہار اپنی پانچویں کتاب ”مجمع البحرین“ میں کیا ہے (1)۔ اس نے یہ کتاب 42 برس کی عمر میں 1065ھ میں مکمل کی۔ اس کتاب میں عام طور پر نہ گہرائی ہے اور نہ عظیم روحانیت کیونکہ یہ زیادہ تر ہندو دھرم اور اسلام کی مترادف اصطلاحات سے بھری ہوئی ہے لیکن کہیں کہیں قرآن کے حوالے سے فلسفیانہ گفتگو بھی ہے۔ یہ تصنیف تقابل ادیان کا ذوق رکھنے والوں کے لئے نہایت اہم ہے کیونکہ یہ دو بالکل مختلف مذاہب کے درمیان ہم آہنگی کی ایک کوشش ہے۔ یہ داراشکوہ کا آخری طبع زاد کام ہے۔ اس کے بعد داراشکوہ نے ”اپنشد“ کا ترجمہ کیا۔ نیز ”بھگوت گیتا“ اور ”جوگ . شست“ کا ترجمہ کرایا۔ جب اس کی گرفتاری کے بعد ”مجمع البحرین“ علماء کے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے ان خیالات کی بنا پر جن کا اس کتاب میں اظہار کیا گیا تھا اسے ملحد قرار دے کر موت کی سزا دی۔ اس کے بھائی نے بڑی صدق دلی سے اس سزا پر عمل کرایا۔ داراشکوہ فخریہ طور پر لکھتا ہے کہ اس نے یہ کتاب اپنے کشف و ذوق کی بنا پر اور اپنے خاندان کے افراد کے لئے لکھی ہے اور اسے دونوں قوموں کے

عوام سے کوئی غرض نہیں۔ اگرچہ اپنی زبان اور اسلوب کے لحاظ سے ”مجمع البحرین“ کوئی بہت دلچسپ اور مرصع کتاب نہیں، لیکن اس سے دو ادیان کو قریب لانے کے لئے دارا شکوہ کی سعی کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس کتاب کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے:

بنام آں کہ او نامی ندارد
بہر نامی کہ خوانی سر بر آرد

(اس کے نام سے جس کا کوئی نام نہیں، تو جس نام سے بھی اسے پکارے، وہ سر نکال لیتا ہے)

پھر اللہ تعالیٰ کی ثناء، رسول اکرم ﷺ کی توصیف اور اہل بیت (علیہم السلام) و صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی منقبت ہے۔ لیکن اللہ کی تعریف یوں کی ہے۔ ”تعریف اس خدائے یگانہ کی ہے جس نے اسلام اور کفر کی دو زلفیں، جو ایک دوسرے کے مقابل ہیں، اپنے چہرے پر لہرائیں۔ ان میں سے کوئی بھی اس کے رخ نیکو کے لئے موجب حجاب نہیں۔“

کفر و اسلام در رہش پویاں
وحدہ لا شریک لہ گویاں

(کفر و اسلام اس کی راہ میں دوڑتے ہوئے (اور) وحدہ لا شریک لہ کہتے ہوئے

اور اس کے بعد یہ لکھا ہے:

در ہمہ اوست ظاہر ہمہ از دست جلوہ گر، اول اوست و آخر اوست، وغیر او

موجود نباشد۔

(سب میں وہی ظاہر ہے (اور) سب کچھ اسی کی وجہ سے جلوہ گر ہے، وہی اول ہے اور وہی

آخر اور اس کے علاوہ کوئی موجود نہیں ہے)

اور اس کے بعد یہ رباعی تحریر کی ہے:

ہم سایہ و ہم نشین و ہم رہ ہمہ اوست
در دل ق گدا و اطلس شہ ہمہ اوست
در انجمن فرق و نہاں خاتہ جمع
باللہ ہمہ اوست، ثم باللہ ہمہ اوست

(ہم سایہ، ساتھی اور ہم سفر، سب کچھ وہی ہے۔ فقیر کی گودڑی اور بادشاہ کے کنو اب (کے خلعت) میں بھی وہی ہے۔ فرقوں کی جلوت اور گروہوں کی خلوت میں، بخدا سب وہی ہے، بخدا سب وہی ہے)

یہ جامی کی رباعی ہے۔ داراشکوہ نے اس کو حسانت العارفین میں بھی لکھا ہے۔
شاعر کی شطحیات کے حوالے سے۔

اس عبارت کے پیش نظر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ کتاب لکھتے ہوئے داراشکوہ کے پیش نظر ہندوؤں کے ویدانتی اور مسلمانوں کے صوفیانہ عقائد تھے جن میں وہ ہم آہنگی اور یگانگت ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ اور اس سلسلے میں وہ اتنا آگے نکل گیا کہ لکھتا ہے کہ بموجب قول اکابر: التصوف هو الانصاف والتصوف ترک التکلیف (تصوف انصاف ہے نیز تصوف فرائض مذہبی کو ترک کرنے کا نام ہے)۔

اپنی سوچ پر اسے اتنا یقین ہے کہ وہ بے اختیار کہہ اٹھتا ہے کہ ہر شخص جو انصاف پسند اور صاحب ادراک ہے وہ سمجھ جائے گا کہ ان نکات تک پہنچنے کے لئے مجھے کتنا غور کرنا پڑا۔ یقین ہے کہ ذہین اور صاحب ادراک اس رسالے سے لطف اندوز ہوں گے جبکہ دونوں گروہوں کے کند ذہن اس سے مستفید نہ ہوں گے۔

اس کتاب میں داراشکوہ نے مسئلہ آفرینش، قیامت اور معرفت ربانی پر بحث کی ہے اور اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ اس سلسلے میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں محض زبان و بیان کا اختلاف ہے۔ داراشکوہ نے دو مذاہب کے درمیان جس ہم آہنگی کا ذکر کیا

ہے، دونوں طرف کے سکالرز کی طرف سے آسانی سے اس کی تردید ہو سکتی ہے، مثلاً - اسلام میں روح کا تصور ویدوں کے فلسفہ سے بالکل مختلف ہے۔ اسلام روح کو خدا تسلیم نہیں کرتا، جبکہ اپنشدوں میں خدا کا ظہور آتما کے طور پر ہی ہوتا ہے۔ ”مجمع البحرین“ میں قیامت کے بیان کے بارے میں داراشکوہ کی تشریحات پر ہم نسبتاً تفصیل سے بات کریں گے۔ یہ بہت دلچسپ بات ہے کہ دونوں مذاہب کے درمیان اختلافی نکات کے بارے میں داراشکوہ بالکل خاموش ہے جیسے کہ دونوں مذاہب میں کھل ہم آہنگی ہو۔

صفات اللہ تعالیٰ کے عنوان سے وہ یوں رقم طراز ہے:

صوفیاء کرام کے مطابق جمال و جلال کی دو الوہی صفات تمام مخلوق پر محیط ہیں۔ جب کہ ہندو فقیروں کے مطابق (خدا کی) تین صفات ہیں: ”ست“ (ایجاد) ”رج“ (ابقا) اور ”تم“ (افنا)۔ ان کو مجموعی طور پر ”ترگن“ کہتے ہیں۔ صوفیاء ابقا کو صفت جمال میں ہی شمار کرتے ہیں اس لئے وہ دو صفتوں کی بات کرتے ہیں۔ چونکہ یہ تینوں صفات ایک دوسرے میں شامل ہیں، اس لئے ہندو فقراء ان تین صفات کو ”ترمورت“ یا ”برہما“ ”بشن“ اور ”میش“ کہتے ہیں اور صوفیاء انہیں ”جبرئیل“ ”میکائیل“ اور ”اسرائیل“ کا نام دیتے ہیں۔ ”برہما“ (جبریل) ایجاد کا فرشتہ ہے، ”بشن“ (میکائیل) ابقا کا اور ”میش“ (اسرائیل) افنا کا۔ پانی، آگ اور ہوا بھی انہیں (رہنما) فرشتوں سے منسوب ہیں۔ پانی، جبریل کے ساتھ، آگ میکائیل کے ساتھ اور ہوا اسرائیل کے ساتھ۔ ان تینوں چیزوں آگ، ہوا اور پانی کا تمام جانداروں میں بھی ظہور ہے۔ چنانچہ ”برہما“ (جبریل) جو زبان کے پانی کے طور پر ظاہر ہوتا ہے، کلام الہی کا مظہر ہے اور نطق اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ ”بشن“ (میکائیل) جو آنکھوں کی آگ ہے، روشنی، نور اور بینائی کا منبع ہے۔ ”میش“ (اسرائیل) کہ نتھنوں کی ہوا ہے، دو نغہ صور کہ دو نفس ہیں اس سے پیدا ہوتے ہیں اور ان کے منقطع ہونے سے موت واقع ہو جاتی ہے۔

اس کتاب میں داراشکوہ نے ”قیامت“ اور ”مکتی“ کے سلسلے میں دونوں مذاہب میں ہم آہنگی ظاہر کرنے کی ناکام سعی کی ہے۔ چنانچہ ”بیان قیامت“ اور ”بیان

مکتی“ کے عنوانات کے تحت وہ لکھتا ہے کہ موحدان ہند کے مطابق بہشت یا دوزخ میں ایک طویل مدت رہنے کے بعد ”مہاپرلی“ یعنی ”قیامت کبریٰ“ ہوگی جو قرآن کی اس آیت سے بھی ثابت ہے۔

فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَّةُ الْكُبْرَىٰ ^{زبط} (سورہ نازعات، 34:79)

(پھر جب بڑا ہنگامہ آئے گا (قیامت))

داراشکوہ کی یہ تشریح صحیح نہیں کیونکہ یہ آیت قیامت کے بارے میں ہے۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں (2) کہ اس سے مراد قیامت ہے۔ طامہ ایسی بڑی آفت کو کہتے ہیں جو سب پر چھا جائے۔ اس کے بعد اس کے لئے کبریٰ کا لفظ مزید استعمال کیا گیا ہے، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس (آفت) کی شدت کا تصور دلانے کے لئے محض طامہ بھی کافی نہیں۔ اس سے اگلی آیت یہ ہے۔

يَوْمَ يُنذَرُ الْإِنْسَانَ مَا نَسَىٰ (سورہ نازعات، 35:79)

(جس دن انسان یاد کرے گا جو اس نے کمایا (اپنے اعمال))

مولانا مودودی نے ”تفہیم القرآن“ میں اس کی وضاحت یوں کی ہے (3) کہ جب انسان دیکھ لے گا کہ وہی محاسبہ کا دن آگیا ہے جس کی اسے دنیا میں خبر دی جا رہی تھی، تو قبل اس کے کہ اس کا نامہ اعمال اس کے ہاتھ میں دیا جائے، اسے ایک ایک کر کے اپنی وہ سب حرکتیں یاد آنے لگیں گی جو وہ دنیا میں کر کے آیا ہے، بعض لوگوں کو یہ تجربہ خود اس دنیا میں بھی ہوتا ہے کہ اگر یکایک کسی وقت وہ کسی ایسے خطرے سے دوچار ہو جاتے ہیں جس میں موت ان کو بالکل قریب کھڑی نظر آنے لگتی ہے، تو اپنی پوری زندگی کی فلم ان کی چشم تصور کے سامنے یک لخت پھر جاتی ہے۔

قرآن مجید کے مطابق مرنے کے بعد ایک روز قیامت برپا ہوگی۔ روز محشر ہوگا۔ حساب کتاب ہوگا۔ جن کی نیکیاں زیادہ ہیں ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں اور جن کی برائیاں زیادہ ہیں ان کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھ میں دئے جائیں گے۔ اور پھر نیک لوگ بہشت میں اور برے دوزخ میں بھیج دئے جائیں گے۔ جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ احادیث کے مطابق اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر تمام مسلمان آخر کار جنت میں آجائیں گے۔ لیکن دارا شکوہ کے مطابق ہندو دھرم یہ کہتا ہے کہ بہشت اور دوزخ میں ایک طویل مدت گزارنے کے بعد قیامت کبریٰ آئے گی۔ جنت اور دوزخ سمیت سب کچھ ذات باری میں جذب ہو جائے گا اور سوائے اس کے چہرے کے کچھ باقی نہیں رہے گا۔ یہ تصور قرآن مجید سے مطابقت نہیں رکھتا۔ ایسی قیامت کبریٰ کا ذکر اسلام میں کہاں ہے؟

دارا شکوہ کا یہ دعویٰ کہ مندرجہ ذیل آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ”مہا پرلی“ برپا ہوگی، صحیح نہیں کیونکہ یہ آیت بھی قیامت کے بارے ہی میں ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ (سورہ زمر، 39:68)

(اور صور میں پھونک ماری جائے گی، تو (ہر کوئی) جو آسمانوں اور زمین میں ہے بے ہوش ہو جائے گا، سوائے اس کے جسے اللہ چاہے)

بقول دارا شکوہ اس آیه مبارکہ میں یہ استثناء عارفوں کی جماعت کے لئے ہے کہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بے ہوشی اور بے خبری سے محفوظ ہیں۔ لیجئے، یہاں دارا شکوہ اپنی تردید آپ ہی کر رہے ہیں۔ ایک طرف تو یہ کہ رہے ہیں کہ مہا پرلی کے بعد سوائے اللہ کے چہرے کے بہشت اور دوزخ سمیت کچھ بھی باقی نہیں بچے گا اور دوسری طرف عارفوں کی ایک جماعت کو محفوظ و مامون سمجھتے ہیں۔

اسی کتاب میں داراشکوہ لکھتا ہے کہ مکتی کا مطلب تعینات کا تباہ ہو کر ذات حق میں غائب ہو جانا ہے۔ چنانچہ آسمانوں اور زمین کی الٹ پلٹ، بہشت اور دوزخ کی تباہی اور برہماند کی عمر تمام ہونے کے بعد، اہل بہشت اور اہل دوزخ (دونوں) کو ”مکتی“ حاصل ہوگی، یعنی دونوں ذات حق میں جذب ہو کر ختم ہو جائیں گے اور بموجب آیت ذیل صرف اس کا چہرہ باقی رہے گا:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَيَبْقَىٰ وَجْهٌ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۝ (سورہ رحمن،

(27:26:55)

(زمین پر جو کوئی ہے فنا ہونے والا ہے اور باقی رہے گی صاحب عظمت احسان کرنے والے تیرے

رب کی ذات)

داراشکوہ کی طرف سے اس آیت کی تشریح اسلامی نظریہ سے ہم آہنگ نہیں اور نہ ہی یہ تشریح کسی طرح بھی قرآن کی عبارت کا مفہوم ادا کرتی ہے۔ یہ آیت قیامت کے بارے میں ہے نہ کہ قیامت کے بعد کے کسی واقعہ کے بارے میں۔

اس کے بعد داراشکوہ مندرجہ ذیل آیت مبارکہ کا حوالہ دیتا ہے:

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ (سورہ توبہ، 72:9)

(اور ان سب سے بڑھ کر نعمت یہ ہے کہ) اللہ کی خوشنودیوں کا ان پر نزول ہوگا)

اور یہ کہتا ہے کہ رضوان اکبر یا فردوس اعلیٰ میں داخل ہونا، نجات عظیم ہے جسے ”مکتی“ کہتے ہیں۔ یہ بات اس کی اپنی پہلی تشریح سے بالکل مختلف ہے۔ پہلے تو یہ کہا تھا کہ بہشت، دوزخ وغیرہ کی تباہی کے بعد ذات حق میں جذب ہونے کا نام ”مکتی“ ہے لیکن اب یہ کہہ رہا ہے کہ رضوان اکبر یا فردوس اعلیٰ میں داخل ہونا، نجات عظیم ہے جسے ”مکتی“

کہتے ہیں۔

اس کے بعد داراشکوہ لکھتا ہے کہ مکتی کی تین قسمیں ہیں۔

1- اول ”جیون مکتی“ یا ”زندگی میں نجات“: اہل ہند کے نزدیک جیون مکتی یہ ہے کہ زندگی میں ہی اللہ تعالیٰ کی معرفت اور شناسائی کی بدولت نجات اور آزادی حاصل ہو، اور انسان اس دنیا کی سب چیزوں کو ایک دیکھے اور ایک جانے۔ نیز تمام اعمال و افعال، حرکات و سکنات، خواہ وہ اچھے ہوں یا برے، اپنی یا غیر کی جانب نسبت نہ کرے، اور اپنے آپ کو اور تمام موجودات کو عین حق جانے اور ان سب میں مراتب حق کو جلوہ گر سمجھے اور تمام برہماند کو کہ صوفیائے کرام اسے عالم کبریٰ کہتے ہیں اور خدا کی مکمل صورت ہے، خدا کا جسمانی بدن گردانے۔ اس کے بعد داراشکوہ نے جو کچھ لکھا ہے وہ کسی ایسے دماغ کی تحریر ہی ہو سکتی ہے جو ہندو دھرم سے شدید متاثر ہو۔ ہم تو اسے نقل کرنے کی جرات بھی نہیں کر سکتے۔

دوم۔ ”سرب مکتی“ یعنی ”سب سے آزادی“: یہ ذات حق میں مل جانے کا نام ہے۔ یہ (نجات) سب کے لئے ہے، چنانچہ قیامت کبریٰ کے بعد یعنی آسمان و زمین، بہشت و دوزخ، لیل و نہار کی تباہی کے بعد، ذات حق میں گم ہو کر سب کو نجات حاصل ہو جائے گی۔ داراشکوہ کے مطابق قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات اسی مکتی کی طرف اشارہ کرتی ہیں:

وَرِضْوَانٍ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٩﴾ (سورہ توبہ، 72:9)

(اور ان سب سے بڑھ کر (نعمت یہ ہے کہ) اللہ کی خوشنودیوں کا ان پر نزول ہوگا)

اور

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١٠﴾ (سورہ یونس، 62:10)

(یاد رکھو، جو اللہ کے دوست ہیں ان کے لئے نہ تو کسی طرح کا خوف ہوگا نہ کسی طرح کی غمگینی)

داراشکوہ کی تشریح پر ہم اپنے نقطہ نظر کا اظہار کر چکے ہیں۔

سوم۔ ”سردا مکتی“ یعنی ”رستگاری پس“: سردا مکتی نام ہے عارف بن جانے کا، نیز آزادی اور نجات حاصل کرنے کا، سیر کے ہر مرتبہ پر، خواہ دن کو ہو خواہ رات کو، خواہ عالم باطن میں ہو، خواہ عالم ظاہر میں، خواہ برہماند ظاہر ہو خواہ نہ ہو اور خواہ ماضی میں ہو، خواہ حال میں، اور خواہ مستقبل میں ہو کہ ان کو ”بہوت“، ”بہوشت“ اور ”برتمان“ کہتے ہیں۔ اور جہاں جہاں قرآنی آیات میں جنت میں ہمیشہ رہنے کے لئے خلدین فیہا ابدًا آیا ہے، وہاں جنت سے مراد معرفت کی جنت ہے اور لفظ ”ابدًا“ سے مراد اس مکتی کی ابدیت ہے۔ کیونکہ انسان کسی حالت میں ہو، اسے خدا کی معرفت کی استعداد اور اس کی عنایات ازلی درکار ہیں۔ داراشکوہ کے مطابق سورہ توبہ اور سورہ کف کی مندرجہ ذیل آیات کریمہ ایسی جماعت کے ہی بارے میں ہیں:

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّتْ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ﴿٧﴾ خَلِدِينَ فِيهَا
أَبَدًا إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٩﴾ (سورہ توبہ، 21، 22)

(ان کا پروردگار انہیں اپنی رحمت اور کامل خوشنودی کی بشارت دیتا ہے۔ نیز ایسے باغوں کی جہاں ان کے لئے ہمیشگی کی نعمت ہوگی اور وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ یقیناً اللہ کے پاس (نیک کرداروں کے لئے) بہت بڑا اجر ہے)

اور

وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا ﴿١٨﴾ مَا كَثِيرٌ مِّنْهُمْ
أَبَدًا ﴿١٩﴾ (سورہ کف، 3، 2، 18)

(اور مومنوں کو جو اچھے اچھے کام کرتے ہیں، خوشخبری دے دے کہ یقیناً ان کے لئے بڑی ہی خوبی کا اجر ہے۔ ہمیشہ اس میں خوش حال رہیں گے۔)

اس تجزیہ سے یہ ظاہر ہے کہ داراشکوہ نے اپنی طرف سے یہ کوشش کی ہے

کہ کسی نہ کسی طرح یہ ثابت کرے کہ ہندومت کے بنیادی تصورات قرآن سے ہم آہنگ ہیں، لیکن اس دعویٰ کو کسی نے بھی تسلیم نہیں کیا، بلکہ مسلمانوں نے اسے ایک مضحکہ خیز کوشش سمجھا جس کا مقصد اسلام کے مقابلے پر ہندومت کی خوبیوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنا تھا۔ بکراجیت حسرت لکھتا ہے (4) کہ مذہبی برداشت کے بارے میں اسلام کے بے مثل صبر و تحمل کے باوجود روشن دماغ شہزادے کی ان کوششوں کو بدعت اور کفر قرار دیا گیا۔

اس کتاب کے مطالعے سے یہ احساس ہوتا ہے کہ دارالاشکوہ کو اپنشدوں پر عبور ہو تو ہو، اسلامی اصولوں پر اس کی نظروں سے نہیں۔

حوالے

- 1- دارا شکوہ، مجمع البحرين، ترتیب و ترجمہ: محمد محفوظ الحق، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ-1929ء۔
- 2- ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، جولائی 1994ء۔ جلد ششم، صفحہ 246۔
- 3- تفہیم القرآن، جلد ششم، صفحہ 246۔
- 4- بکراجیت حسرت، دارا شکوہ (بزبان انگریزی)، منشی رام منوہر لال پبلشرز، نئی دہلی، طبع دوم، 1982ء۔ صفحہ 223۔

حواشی

☆ ”مجمع البحرین“ کا فارسی متن مع انگریزی ترجمے کے مولوی محفوظ الحق نے 1929ء میں کلکتہ سے شائع کرایا۔ بعد میں تہران سے شائع ہوا۔

☆ مولوی منظور الحق لکھتے ہیں کہ اگرچہ مجمع البحرین کے نسخے ہندوستان کی لائبریریوں میں نایاب نہیں ہیں، لیکن وہ محررانہ غلطیوں سے بھرے پڑے ہیں۔ انہوں نے پانچ نسخوں سے رجوع کرنے کے بعد اپنا نسخہ تیار کیا۔ مختلف نسخوں میں اتنا فرق ہے اور سنسکرت سے فارسی میں جاتے ہوئے رسم الخط میں تبدیلی کی وجہ سے اصطلاحات میں اتنے اختلافات ہیں کہ تدوین کا کام بہت مشکل اور بعض صورتوں میں ناممکن بن جاتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ ”مجمع البحرین“ کے عربی ترجمے کے نسخے سے بھی رجوع کرتے رہے ہیں۔ یہ ترجمہ محمد صالح بن الشیخ احمد المصری نے کیا ہے اور عربی اقتباسات کی تصحیح میں بہت مفید ثابت ہوا۔

☆ مولوی محفوظ الحق نے ”مجمع البحرین“ کی نہ صرف تدوین کی بلکہ انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ بھی کیا۔ اس کے مقدمے میں وہ رقم طراز ہیں کہ ”مجمع البحرین“ کے انگریزی مسودہ کو دیکھ کر ان کے رفیق کارڈاکٹر سریندر ناتھ داس گپتا نے کہا کہ داراشکوہ نے نفس مضمون میں کئی ایک غلط باتیں کہی ہیں اور یہ ضروری ہے کہ ان بیانات کی تصحیح و تشریح فٹ نوٹس میں کی جائے۔ انہوں نے مولوی صاحب سے یہ وعدہ کیا تھا کہ فٹ نوٹس وہ خود لکھ دیں گے لیکن امریکہ چلے جانے کی وجہ سے وہ اپنا وعدہ پورا نہ کر سکے۔

☆ مولوی محفوظ الحق لکھتے ہیں کہ گوپال پرشاد نے ”نور عین“ کے نام سے ”مجمع البحرین“ کا اردو میں ترجمہ کیا۔ جو 1872ء میں لکھنؤ میں چھپا، لیکن اب اس کی کاپی کہیں بھی نہیں ملتی۔

☆ کتاب کے آغاز میں جو شعر لکھا ہے وہ حکیم سنائی کی حدیثہ الحقیقت سے ہے اور داراشکوہ نے انہیں خطوط پر ایک رباعی بھی لکھی ہے:

یک زره ندیدیم ز خورشید جدا
 ہر قطرۂ آب ہست عین دریا
 حق را بچہ نام کس بتواند خواندن
 ہر نام کہ ہست ہست از اسماء خدا

اور جامی نے اسی موضوع پر یوں کہا ہے:

کہ بادہ و گہ جام خوانیم ترا
 کہ دانہ و گہ دام خوانیم ترا
 جز نام تو بر لوح جہاں چیزے نیست
 آیا بکدام نام خوانیم ترا

☆ اس کتاب میں 22 مختلف موضوعات پر بحث کی گئی ہے تاکہ مذہب اسلام اور آئین ہندو کی قدر مشترک معلوم ہو۔

☆ محمد حسین آزاد اپنی کتاب ”دربار اکبری“ میں رقم طراز ہیں کہ اکبر نے

مسلمانوں اور ہندوؤں کے مشترکہ استعمال کے لئے کشمیر میں ایک عمارت تعمیر کی تھی۔ ابو الفضل نے یہ شعر اس پر کندہ کرایا تھا۔

کفر و اسلام در رہش پویاں
وحدہ لا شریک لہ گویاں

☆ مولوی محفوظ الحق نے مندرجہ ذیل نسخوں سے استفادہ کیا ہے۔

1- آصفیہ لائبریری، حیدر آباد (دکن) کا مخطوطہ۔ اس پر 9 ربیع الاول 1224ھ کی تاریخ ہے۔ سید غریب علی بن سید شاہ علی رضانی نے تحریر کیا ہے۔ اس مسودے میں بے شمار محررانہ غلطیاں ہیں۔

2- خدا بخش خاں اور سنٹل پبلک لائبریری، بانگی پور کا مخطوطہ (فارسی مخطوطوں میں نمبر 1450۔ خان بہادر عبدالمقتدر کا تیار کردہ)۔ اس میں نہ تحریر کی تاریخ درج ہے نہ ہی کاتب کا نام۔ یہ نسخہ آصفیہ سے بہتر ہے مگر صاف ہینڈ رائٹنگ میں نہیں لکھا ہوا۔

3- رام پور سٹیٹ لائبریری کا مخطوطہ۔ اس پر 22 ذوالحجہ 1226ھ کی تاریخ ہے۔ خواجہ میر قاسم کے کہنے پر اسے محمد حاجی بیگ نے نقل کیا ہے۔ اس نسخہ میں بظاہر اضافی تحریریں ہیں جو شیعہ رجحانات کی عکاسی کرتی ہیں۔

4- وکٹوریہ میموریل ہال کلکتہ کا مخطوطہ۔ اس کے بارے میں یہ دعویٰ ہے کہ یہ داراشکوہ کا تحریر کردہ ہے۔ مولوی منظور الحق اس نسخے کے بغور معائنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس بات کی کوئی داخلی یا خارجی شہادت نہیں کہ یہ شہزادہ داراشکوہ کی تحریر ہے۔ اس کے علاوہ اسی میں اتنی فروگزائشیں حتیٰ کہ جہوں کی غلطیاں ہیں کہ یہ داراشکوہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہو ہی نہیں سکتا۔

5- ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کا مخطوطہ (کرزن کے مجموعے میں اس کا نمبر III 156 ہے) بد قسمتی سے یہ نسخہ مولوی صاحب کو تاخیر سے ملا۔ اس لئے وہ اس سے پوری

طرح استفادہ نہ کر سکے۔

وہ ”مجمع البحرین“ کے مفرد عربی ترجمے کے مخطوطے سے بھی رجوع کرتے رہے۔ یہ نسخہ بہار لائبریری (امپریل لائبریری، کلکتہ) میں محفوظ ہے۔ یہ ترجمہ محمد صالح بن الشیخ احمد المعری نے کیا ہے اور عربی اقتباسات کی تصحیح میں بہت مفید ثابت ہوا۔

☆ ”بیان صفات اللہ تعالیٰ“ کے تحت داراشکوہ لکھتا ہے:

نزد صوفیہ در صفت است جمال و جلال کہ جمع آفرینش از تحت این دو صفت بیرون نیست۔ و نزد فقہرای ہند سے صفات اند کہ آن را ”ترگن“ میگویند ”ست“ و ”رج“ و ”تم“۔ ”ست“ یعنی ایجاد و ”رج“ یعنی ابقا و ”تم“ یعنی فنا۔ و صوفیہ صفت ابقا را در ضمن صفت جمال دیدہ و اعتبار کردہ اند۔ چون ہر یکی ازین سے صفت در یکدیگر مندرج اند فقہرای ہند این سے صفت را ”ترمورت“ نامند کہ ”برہما“ و ”بشن“ و ”میش“ باشند و بزبان صوفیہ جبرئیل و میکائیل و اسرافیل گویند۔ ”برہما“ موکل ایجاد است کہ جبرئیل باشد و ”بشن“ موکل ابقاست کہ میکائیل باشد و ”میش“ موکل اناست کہ اسرافیل باشد۔ و آب و باد و آتش نیز منسوب باین موکلانند، آب بجرئیل و آتش بمیکائیل و باد باسرافیل و این سے چیز در جمع جانداران نیز ظاہر است ”برہما“ کہ آب باشد در زبان، مظهر کلام الہی گشت و نطق ازین ظاہر شد و ”بشن“ کہ آتش است در چشم، روشنی و نور و بینائی ازو ظاہر شد و ”میش“ کہ باد است در بینی، دو نغہ صور ازین ظاہر شد کہ دو نفس باشد و چون آن منقطع گردد فانی شود۔

”ترگن“ سے صفت حق باشد کہ ایجاد و ابقا و اناست و مظهر این سے صفت ہم ”برہم“ و ”بشن“ و ”میش“ اند کہ صفات انہا در جمع مخلوقات ظاہر اند، اول مخلوق پیدا میشود باز بقدر موعود میماند و باز فانی میشود و ”تگت“ کہ قدرت این سے صفت است آن را ”تردیوی“ گویند و ازان ”ترمورت“ کہ ”برہما“ و ”بشن“ و ”میش“ باشند و ازین ”تردیوی“ این سے چیز بر آمد کہ آن را ”سرستی“ ”پارہتی“ و ”پچھی“ میگویند ”سرستی“

بہ ”رجوگن“ و ”برہما“ تعلق دارد و ”پارتی“ بہ ”تموگن“ و ”میش“ و ”پھی“ بہ ”ست گن“ و ”بشن“۔

☆ ”بیان قیامت“ کے تحت داراشکوہ تحریر کرتا ہے:

بطور موحدان ہند اہلست کہ بعد از بودن در دوزخ و بہشت چون مدتائی
طویل بگذرد ”مہارپی“ شود کہ عبارت از قیامت کبریٰ است کہ از آیہ کریمہ فاذا جاء
ت الطامہ الکبریٰ یعنی وقتیکہ بیاید قیامت کبریٰ مفہوم میشود و ازین آیہ نیز معلوم میشود
و نفخ فی الصور فصعق من فی السموات و من فی الارض الا من شاء اللہ یعنی وقتیکہ
دمیدہ میشود صور پس بے ہوش میشود ہر کہ در آسمانہا و زمینہا است مگر مخصی را کہ خواستہ
باشد خدای تعالیٰ از بے ہوش شدن نگاہ دارد و آل جماعت عارفان باشد کہ محفوظ اند از
بے ہوشی و بے خبری ہم در دنیا و ہم در آخرت۔ و بعد از ہر طرف شدن آسمانہا و زمینہا و فانی
شدن دوزخہا و بہشتہا و تمام شدن مدت عمر ”برہماند“ و ”نہودن“ ”برہماند“ اہل بہشت و دوزخ
را مکت خواهد شد یعنی ہر دور در حضرت ذات مستہلک و محوشوند۔ بموجب این آیہ کل من
علیہا فان و یبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔

☆ ”بیان مکت“ کے تحت داراشکوہ رقم طراز ہے:

”مکت“ عبارت از استہلاک و محوشدن تعینات باشد در حضرت ذات کہ از
آیہ کریمہ و رضوان من اللہ اکبر ذلک هو الفوز العظیم ظاہر میشود و داخل شدن در
رضوان اکبر کہ فردوس اعلیٰ باشد رستگاری بزرگ است کہ مکت باشد و مکت بر سہ قسم
است۔ اول: ”جیون مکت“ یعنی رستگاری در زندگانی و ”جیون مکت“ نزد ایشاں آنست کہ
در ایام حیات خود بدولت عرفان و شناسائی حق تعالیٰ رستگار و خلاص باشد و در ہمیں جہاں ہمہ
چیز را یکی بیند و یکی داند و اعمال و افعال و حرکات و سکنت و نیک و بد را نسبت بخود و بغیر
کنند و خود را با جمیع اشیائی موجودہ عین حق شناسد و در ہمہ مراتب حق را جلوہ گرداند و تمام

بر همانند را که صوفیای کرام آن را عالم کبری گفته اند و صورت کلیت خداست بمنزله بدن جسمانی خدا گرداند.

دوم: "سرب مکت" یعنی رستگاری همه و آن استهلاك در ذاتست و آن شامل همه موجودات است و بعد از قیامت کبری و فتای آسمان و زمین و بهشت و دوزخ و نبودن بر همانند و نبودن روز و شب از محویت در ذات رستگار و خلاص باشند و آیه کریمه و رضوان من الله اكبر ذالك هو الفوز العظيم والا ان اولياء الله لا خوف عليهم ولا هم يحزنون یعنی بدرستیکه عارفان خدا را نیست ترسی و نیستند آنها اند و حکیم اشاره بهمین مکت است.

سیوم: "سرید اکت" یعنی رستگاری پس - "سرید اکت" آن باشد که در هر مرتبه که سیر کند خواه در روز خواه در شب خواه در عالم باطن خواه در عالم ظاهر خواه بر همانند نماید خواه نماید و خواه در ماضی خواه حال و خواه در مستقبل که بهوت بهوشت بر تمان گویند عارف و رستگار و خلاص باشد و هر جا که در آیات قرآنی در باب بودن در جنت خلدین فیها ابداء واقع شده یعنی همیشه خواهند بود در آن بهشت مراد از جنت معرفت است و مراد از لفظ ابداء ابدیت این مکت است - چه در هر نشاء که باشد استعداد معرفت و عنایات ازلی در کار است چنانچه این دو آیه کریمه در باب اتخمتین جماعت وارد است یبشرهم ربهم بر حمتهم و رضوان و جنت لهم فیها نعیم مقیم خلدین فیها ابداء ان الله عنده اجر عظیم یعنی مرده میدهد ایشان را پروردگار ایشان بر حمتی از خود مرده میدهد بفر دوس اعلی و بهشتها که مرایشان راست در آن بهشتها نعمتهائی دائمی و رستگاری بی انقطاع از نزدیک حق تعالی بدرستی که مزدیست بزرگ و نیز آیه کریمه دیگر و یبشر المؤمنین الذین يعملون الصلحت ان لهم اجرا حسنا ما کشین فیها ابداء یعنی مرده بد مید (پیغمبر صلی الله علیه و سلم) مومنان را که عمل میکنند نیک که حصول معرفت حق سبحانه تعالی باشد و بدرستیکه مر عارفان را ست مزدی نیکو که فر دوس اعلی باشد و درنگ کنندگان باشند و همیشه مانندگان اندران فر دوس اعلی -

☆ دارا شکوہ یہ بھی لکھتا ہے:

اس دور کے ختم ہونے کے بعد پھر بعینہ ابوالبشر آدم علیہ السلام پیدا ہوگا۔ علی ہذا
القیاس اسی طرح یہ دور زمانہ ہمیشہ گردش کرتا چلا جائے گا۔

چھٹا باب

دیوان داراشکوہ

منظور الحق 1929ء میں ”مجمع البحرین“ کے انگریزی ترجمے کے تعارف میں لکھتے ہیں کہ چند سال پہلے بھوپال کے ایک اردو ماہنامہ نگار میں یہ اعلان ہوا کہ داراشکوہ کا دیوان مل گیا ہے اور رسالے کے ایک آئندہ ایثوع میں اس گراں قدر مسودے کے بارے میں تفصیلات شائع کی جائیں گی۔ لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔ لاہور کے ایک پبلشر نے 1927ء میں اعلان کیا تھا کہ رباعیات داراشکوہ چھپ رہی ہیں لیکن وہ نہیں چھپیں۔ مختلف کتابوں میں داراشکوہ کے دیوان کا تذکرہ تو تھا لیکن اس کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ آخر کار 1939ء میں خاں بہادر ظفر حسین کے پاس سے اس کا مسودہ مل گیا (1)۔ اس کی دریافت سے پہلے، دارا کی شاعری اس کلام پر مشتمل تھی جو اس کی اپنی کتابوں (مثلاً ”سکینۃ الاولیاء“، ”حسانت العارفین“، ”رسالہ حق نما“) یا مختلف تذکروں میں مل جاتا ہے۔ یہ حیرانی کی بات تھی کہ دارا کے نثری افکار تو مکمل صورت میں دستیاب تھے، مگر اس کا شاعرانہ کلام غائب ہو چکا تھا۔ ذہن یہ بات قبول نہیں کرتا تھا کہ علماء کے نقطہ نظر سے اس کی انتہائی قابل اعتراض نثری تصانیف ”مجمع البحرین“ اور ”سراکبر“ تو کھلے عام دستیاب ہوں لیکن اس کے شاعرانہ کلام کو بدعت اور ارتداد کا مجموعہ سمجھ کر ضبط کر لیا جائے۔ اب جب کہ یہ دیوان یا کم از کم اس کا ایک بڑا حصہ مل چکا ہے، ہم اس کی شاعری پر اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے ہیں۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ ”خزینۃ الاصفیاء“ کے علاوہ (جو

داراشکوہ کی موت کے دو سو سال بعد لکھی گئی) کہیں بھی اس کے دیوان کا نام ”اکسیراعظم“ نہیں لکھا ہے۔ ظفر حسن والے مخطوطے میں بھی اسے صرف ”دیوان داراشکوہ“ لکھا ہے۔

داراشکوہ کی سوچ اور فکر سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اس کے علم و فضل سے کسی کو انکار نہیں۔ فارسی ادب پر اس کی نظر گہری اور مطالعہ بہت وسیع تھا۔ مگر شاعری صرف فکر اور علم و فضل کی بات نہیں ہے۔ فکر میں کتنی ہی گہرائی کیوں نہ ہو، اگر غزلوں میں جذبات کی حرارت اور انداز نگارش میں ندرت نہیں تو شاعری کی حیثیت سے اس کا کوئی مقام نہیں۔ داراشکوہ کی تمام شاعری مسئلہ وحدت الوجود کے گرد گھومتی ہے۔ اس کے مرشد ملا شاہ اس کی شاعری کو بے مثال اور دل خوش کن بتاتے ہیں۔ لیکن یہ نقطہ نظر غالباً اس کی شاعری کے تصوفانہ رموز کی وجہ سے ہے۔ ”خزینۃ الاصفیاء“ کے مصنف رقم طراز ہیں (2) کہ اس کے دیوان میں شاندار غزلیں ہیں۔ اس کی شاعری توحید کا سمندر ہے جو اس کی زبان گوہر نشاں سے جاری ہے یا وحدانیت کا سورج ہے کہ اس کی شاعری کے افق سے طلوع ہوتا ہے۔ لیکن اس کی غزلیں یا رباعیات پڑھ کر اس کی شاعرانہ عظمت کا کوئی احساس پیدا نہیں ہوتا۔ کلمات الشعرا میں محمد افضل الدین سرخوش لکھتا ہے (3) کہ داراشکوہ اچھے مزاج، ارفع تصور اور خوب صورت شخصیت کا حامل تھا۔ ایک صوفی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ صوفیاء کا دوست اور ایک فلسفی تھا۔ قادری سلسلہ سے اپنے تعلق کی وجہ سے اس نے اپنا تخلص بھی ”قادری“ رکھا تھا۔

داراشکوہ اپنے دیوان میں اپنی آزاد خیالی کا بار بار کھل کر اظہار کرتا ہے۔ اس کا شاعرانہ تصور مذہبی روایات کی حدود کو پار کر جاتا ہے، چنانچہ قادر / قادری کی تجنیس لفظی کا لحاظ رکھتے ہوئے کہ وہ کہتا ہے:

قادری گشت قادر مطلق
از پئے ہر فنا کمال بقاست

(قادری، قادر مطلق ہو گیا، ہر فنا کے بعد بقا کا کمال ہے)

قادری رود عین قادر شد
چوں مدد کرد قادر بغداد

(جب قادر بغداد (شیخ عبدالقادر جیلانی) نے مدد کی تو قادری (داراشکوہ) جاتا رہا، عین قادر

(خدا) ہو گیا)

قادری نیست جز قادر

وحدہ لا الہ الا ہو

(قادر کے سوا کوئی قادری نہیں، وہ ایک ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں)

اسی طرح لفظ ”دارا“ پر تجنیس ہے:

چوں بدارائے خویش دل بہ سپرد

قادری نیز عین دارا شد

(جب اس نے اپنا دل اپنے بادشاہ کے سپرد کیا تو قادری (داراشکوہ) بھی کھل طور پر بادشاہ

ہو گیا)

یہاں داراشکوہ کی ایک رباعی تحریر کرنا مناسب نہ ہوگا:

خویش را جدا نمی دانم

لیک خود را خدا نمی دانم

قطره را نسبتی کہ با بحر است

بیشتر زیں روا نمی دانم

(اگرچہ میں خود کو (خدا سے) جدا نہیں جانتا ہوں، لیکن میں خود کو خدا (بھی) نہیں سمجھتا ہوں۔
 قطرے کو سمندر سے جو نسبت ہے، میں اس سے زیادہ مناسب نہیں جانتا)

نیم صوفی اور جاہل ملا کا عجب وریا، شاعر کے طنز کے لئے ایک دل پسند موضوع
 ہے۔ ہم اس سلسلے میں داراشکوہ کے چند اشعار درج کرتے ہیں:

بہشت آں جا کہ ملائی نباشد
 ز ملا شور و غوغائی نباشد
 (بہشت وہ جگہ ہے جہاں کوئی ملانہ ہو، جہاں ملا کا شور و غوغا نہ ہو)

جہاں خالی شود از شور ملا
 ز فتویٰ ہاش پروائی نباشد
 (دنیا ملا کے شور سے خالی ہو جائے، اس کے فتوؤں کی کوئی پروا نہ کرے)

در آن شہرے کہ ملا خانہ دارد
 در آں جا ہچ دانائی نباشد
 (جس شہر میں ملا کا گھر ہوگا، اس میں عقل کی کوئی بات نہیں ہوتی)

ز ابلیس بہ بوالبشر چہ انکار رسید
 حق گفت حسین، بر سردار رسید
 از شومسی شتر نفس ملایان است
 با ہر نبی و ولی کہ آزار رسید

(ابلیس کے انکار سے آدم کا کیا نقصان ہوا؟ حسین (ابن منصور حلاج) نے حق (انا الحق) کہا

اور تختہ دار پر پہنچ گیا۔ ہر نبی اور ولی کو جو تکلیف پہنچی، وہ ملاؤں کے شرکی نحوست کی وجہ سے ہے)

ہر کہے در جام وحدت در گرفت
 زاہدان شہر را چوں خر گرفت
 (ہر وہ شخص جس نے وحدت کا جام پیا، اس نے شہر کے زاہدوں کو گدھے جیسا جانا)

جملہ عجب و ریاست اس تقویٰ
 کے بود لائق نگار ما؟
 (یہ سارا تقویٰ غرور و ریا ہے، یہ ہمارے محبوب کے لائق کیسے ہو سکتا ہے؟)

چند بازی تو بر شریعت خود
 احمد مرسل از خدا ست سوا؟
 (تو اپنی ہی شریعت (کے زور) پر کب تک کھیلے گا، کیا احمد مرسل، خدا سے مختلف ہیں؟)

پنجاب کا شہر دارا پور اسے عزیز ہے کیونکہ میاں میروہیں رہے اور دفن

ہوئے:

عشق پنجابم نمودہ بے قرار
 زانکہ نقش دوست در پنجاب ہست
 (مجھے پنجاب کی محبت نے بے قرار کر دیا کیونکہ میرے دوست کا نقش پنجاب میں ہے)

کعبہ من حضرت لاہور دان
 سجدہ من سوئی آل محراب ہست
 (شہر لاہور کو میرا کعبہ سمجھ۔ میرا سجدہ اسی محراب کی جانب ہے)

قادری را کعبہ دارا پور شد
 کاندراں بسیار فتح الباب ہست

(قادری کے لئے داراپوری کعبہ ہو گیا کہ یہاں بہت سی مرادیں پوری ہوتی ہیں)

اس کے بہت سے اشعار، فقر کی مدح اور مال و دولت کی قدح میں ہیں۔

سلطنت سہل است، خود را آشنائی فقر کن

قطرہ تا دریا تواند شد چرا گوہر شود؟

(سلطنت حاصل کرنا آسان ہے، اپنے آپ کو فقر سے آشنا کر۔ قطرہ جب سمندر بن سکتا

ہے تو وہ موتی کیوں بنے؟)

دست زر آلود بدبو سے شود

جان زر آلود را احوال چیت

(زر آلود ہاتھوں سے بدبو آنے لگتی ہے، زر آلود روح کا کیا حال ہے)

روز و شب گوشت بہ مرگ مردم است

مر ترا مردن بود این حال چیت

(رات دن تیرا کام لوگوں کی موت کی خبر پر ہے۔ تجھے (بھی) مرنا ہے، (پھر) یہ حال کیوں؟)

مسافر ہر قدر باشد بکسار

نیابد در سفر تصدیح و آزار

(مسافر جتنا ہلکا پھلکا ہو گا سفر میں وہ اتنی ہی پریشانی نہیں پائے گا)

تو ہم اندر جہاں ہستی مسافر

یقین می دان اگر ہستی تو ہشیار

(تو بھی دنیا میں مسافر ہے، اگر عقل مند ہے تو اس بات پر یقین کر)

بقدر مال باشد سرگرانی
 بقدر بچ باشد بار دستار
 (سرگرانی مال کے مطابق ہوا کرتی ہے۔ (جس طرح) گہڑی کا بوجھ بچوں کے مطابق ہوتا ہے)

تو تا باش بہ دنیا باش آزاد
 ترا چوں قادری کردہ خبردار
 (تو جب تک دنیا میں ہے، آزاد رہ۔ چونکہ قادری نے تجھے خبردار کر دیا ہے)

ایک غزل کے چند اشعار:

ہر کہ این را شناخت گو را برد
 ہر کہ خود را بہاخت او را برد
 (جس نے اسے پہچان لیا وہ گونے سبقت لے گیا۔ جس نے اپنے آپ کو کھو دیا، اسے پالیا)

ہر کہ پائے خمے گرفت و نشت
 ساقی و بادہ و سبو را برد
 (جس کسی خم کے پاؤں پکڑ لئے اور بیٹھ گیا، وہ ساقی، شراب اور پیالے کو لے گیا)

واں کہ زیں سر نیافت آگاہی
 رفت و در خاک آرزو را برد
 (اور جو اس راز سے آگاہ نہ ہوا، وہ گزر گیا اور آرزو کو مٹی میں لے گیا)

قادری یار خویش در خود یافت
 خود نکو بود، کان نکو را برد
 (قادری نے اپنے دوست کو اپنے اندر پایا، وہ خود نیک تھا (اس لئے) نیک کو لے گیا)

اب ہم اردو ترجمے کے ساتھ داراشکوہ کی چند رباعیات پیش کرتے ہیں جو اس کے دیوان سے منتخب کی گئی ہیں۔

تبیح عن عجب در آمد بزباں
گفتہ کہ مرا چرا کنی سرگرداں؟
گر دل بہ عوض ہمہ بگردانی تو
دانی کہ برائے پیت خلق انساں

(تبیح نے مجھ سے عجیب سی بات کی، کہنے لگی کہ تم مجھے کیوں گھماتے رہتے ہو؟ اگر تم اس سب کے بدلے اپنے دل کی طرف توجہ دو، تو تمہیں معلوم ہو جائے کہ انسان کو کس لئے پیدا کیا گیا)

کافر گفتی تو از پے آزارم
اس حرف ترا راست ہی پندارم
پستی و بلندی ہمہ شد ہموارم
من مذہب ہفتاد و دو ملت دارم

(مجھے تکلیف دینے کے لئے تو نے کافر کہا، میں (بھی) تیری اس بات کو درست سمجھتا ہوں۔
میرے لئے پستی و بلندی سب ہموار ہو گئیں، میرا مذہب بہتر فرقوں والا ہے)

توحید بگویم ار بنفسی بہ ادا
موجود نبود ہیچ گاہ غیر خدا
آنا کہ تو می بینی و می دانی غیر
در ذات یکیت و در نام جدا

(میں تجھے توحید (کے بارے میں) بتاتا ہوں اگر تو اسے اشارے سے سمجھ جائے، خدا کے سوا
کبھی کوئی موجود نہیں رہا ہے۔ جن کو تو دیکھتا اور غیر جانتا ہے، اپنی ذات میں وہ ایک ہیں اور نام سے
جدا جدا ہیں)

دریاست وجود صرف ذات وہاب
 ارواح و نقوش ہم چو نقش اندر آب
 بحریت کہ موج می زند اندر خود
 کہ قطرہ، کہ است موج، گاہیست حباب

(ذات حق کا وجود سمندر ہے، ارواح اور اجسام نقش بر آب ہیں، سمندر اپنے اندر خود

موجیں مارتا ہے، کبھی قطرہ، کبھی موج اور کبھی بلبہ ہے)

ہر دم برسد بعارفان ذوق جدید
 خود مجتہد اند نی ز اہل تقلید
 شیران نخوردند جز شکار خود را
 روباہ خورد فقادہ لحم قدید

(ہر لمحے عارفوں کو نیا ذوق پہنچتا ہے، وہ خود اجتہاد کرنے والے ہیں، اہل تقلید سے نہیں، شیر

اپنے شکار کے سوا کچھ نہیں کھاتے۔ یہ لومڑی ہے جو گرا پڑا خشک گوشت کھالیتی ہے)

داراشکوہ ایک صوفی شاعر تھا جس کا کلام وحدت الوجود کے اسرار و رموز سے بھرا ہوا

ہے لیکن شاعری کے لحاظ سے اس کا درجہ بلند نہیں۔

حوالے

1- دارا شکوہ، دیوان دارا شکوہ، ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔ مخطوطہ: خاں بہادر ظفر حسین، جرنل آف رائل ایشیائی سوسائٹی آف بنگال، جلد 5 شماره نمبر 1-1939ء۔

2- فشی غلام سرور چشتی، خزینۃ الاصفیاء، 1283ھ، لکھنؤ۔ صفحہ 163۔

3- محمد افضل سرخوش، کلمات الشعراء، تصحیح صادق علی دلاوری، شیخ مبارک علی،

لاہور۔ 1943ء۔ صفحہ 89۔

ساتواں باب

خطاطی اور مصوری

مغل حکمرانوں کی جمالیاتی حس بہت تیز تھی۔ ان کے ذوق جمال نے ان کو فنون لطیفہ کا قدردان بنا دیا تھا۔ ممتاز خطاطوں اور مصوروں کو دربار میں عزت و تکریم سے دیکھا جاتا تھا اور ان میں سے یکتا۔ منفرد افراد کو کوئی نہ کوئی منصب بھی عطا ہوتا۔ ایران کے دو مصوروں کو اپنے دربار سے وابستہ کر کے ہمایوں نے مصوری کے فروغ کے لئے پہلا قدم اٹھایا۔ اس کی حقیقی بنیاد اکبر نے ڈالی جس نے اپنے پچاس سالہ دور حکومت میں فنون لطیفہ کی ہر ممکن طریقہ سے حوصلہ افزائی کی۔ جہانگیر ایک حسن شناس بادشاہ تھا۔ اس کا مصوری کا ذوق بہت عمدہ تھا اور اس کو پرکھنے کے لئے اس میں ایک قدرتی ملکہ موجود تھا۔ چنانچہ اس کے عہد میں یہ فن کمال کی انتہائی بلندیوں کو چھونے لگا۔ شاہجہاں نے حتی المقدور اس اعلیٰ معیار کو قائم رکھنے کی کوشش کی۔ ویسے اس کا نام تاج محل تعمیر کروانے والے کے طور پر یادگار رہ گیا ہے (1)۔ ابو الفضل ”آئین اکبری“ میں ایک سو سے زائد خطاطوں کی فہرست دیتا ہے۔ ان میں سے سترہ کا اپنے فن کے ماہرین میں شمار ہوتا ہے اور ان میں سے دو سب سے ممتاز ہیں۔ ایک تو خواجہ عبدالصمد ”شیریں قلم“ ہیں جو بعد میں اکبری نکسال کے امین بن گئے اور دوسرے ایک ہندو، سونت، جو ابو الفضل کے کہنے کے مطابق سب سے بازی لے گیا (2)۔

اکبر کے زمانے میں خطاطی کی قدر ایک فن کے طور پر ہوتی تھی۔ درباری

خطاط غیر ملکی فرماں رواؤں کے نام بادشاہ کے خطوط اور صوبائی گورنروں کے نام بادشاہ کے فرمان وغیرہ تحریر کرنے میں اپنے فن کی قدرت کا پورا مظاہرہ کرتے تھے۔ آئین اکبری میں ابوالفضل لکھتا ہے کہ ہندوستان، ایران، ترکستان اور ترکی میں خطاطی کے آٹھ نظام چل رہے تھے۔

شہزادہ داراشکوہ بھی فنون لطیفہ کا بہت قدردان تھا۔ اس نے شاہجہاں بادشاہ کے دربار کے مشہور خطاط آقا عبدالرشید دہلوی سے، جسے تذکرہ خوش نویساں (3) میں خطاطی کی سلطنت کا پیغمبر کہا گیا ہے، خطاطی سیکھی۔ غلام محمد ”ہفت رقم“ تذکرہ خوش نویساں میں رقم طراز ہے کہ دارا کا خط نستعلیق اور خط نسخ دونوں بہت عمدہ تھے۔ وہ آقا رشید کا بہترین شاگرد تھا۔ مختلف لائبریریوں میں اس کی خطاطی کے نمونوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ نستعلیق اور نسخ دونوں میں باقی لوگوں سے بہت آگے تھا۔ داراشکوہ مصوری کا بھی بہت دلدادہ تھا اور اس کی تکنیک اور قدر و قیمت کے بارے میں صائب الرائے بھی۔ اس کو تصویریں جمع کرنے کا بے حد شوق تھا۔ تصویروں کا البم، جو اس نے اپنی ہمدوم ہمازیوی نادرہ بیگم کو پیش کیا، مغل آرٹ کے سب سے قیمتی خزانوں میں سے ہے۔ اس مرقع پر اس کے دستخط بھی ہیں اور یہ انڈیا آفس لائبریری لندن میں محفوظ ہے۔ (R • L 944-1908)۔ اس خوبصورت مرقع کے سرورق کی زرتار زمین پر تحریر ہے:

”یہ مرقع شہنشاہ شاہجہاں کے بیٹے شہزادہ محمد داراشکوہ نے سال 1051ھ (1641-42ء) میں اپنی سب سے چہیتی اور عزیز رفیقہ حیات نادرہ بیگم کو پیش کیا تھا۔“

پرسی براؤن اپنی کتاب ”مغل دور میں ہندوستانی مصوری“ میں لکھتا ہے (4):

ایک بازوق مغل شہزادے کے فن کارانہ مذاق کو جانچنے کے لئے یہ مرقع دلچسپی سے بھرپور ہے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ منتخب کرتے وقت بعض کم خوب صورت تصاویر بھی البم میں شامل ہو گئیں، مجموعی حیثیت سے اس مرقع کا مالک میناتور (miniature) تصویروں کا ایک اچھا پرکھنے والا تھا۔ اس نے اپنے فنی نمونوں کو بڑی

ہوشیاری اور سوجھ بوجھ سے جمع کیا تھا۔ اس کی وسیع النظری اس حقیقت سے ثابت ہوتی ہے کہ اس مرقع میں یورپ کے مصوروں کی بنائی ہوئی متعدد کندہ تصاویر بھی شامل ہیں۔ لیکن ان میں بہت کم تصویریں ایسی ہیں جن سے کسی قسم کی شدت یا قوت کا احساس ہوتا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ مرقع / البم کی سب تصویروں کو ان کی نسوانی خصوصیات کی بنا پر منتخب کیا گیا ہو، اس لئے کہ یہ مرقع ایک خاتون کے لئے تحفہ تھا۔ اس مرقع کا ایک مثالی نمونہ تصویر زرد نرگس میں پیش کیا گیا ہے، جس سے اس فن کی نوعیت اور کیفیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس مرقع کی باقی میناتور تصویریں خالص مغل انداز میں ہیں جن کے موضوعات، شبیہیں، جانور، پرندے اور پھول ہیں۔ تصویریں سب اچھی ہیں مگر وہ اس زمانے کی مصوری کے عام اور مروجہ اسلوب فن کا نمونہ ہیں۔ اس لحاظ سے ان میں کوئی امتیازی صفت نہیں۔

فنی افادیت کے علاوہ اس مرقع میں تاریخی کشش ہے اس لئے کہ یہ داراشکوہ کی قسمت میں لکھے ہوئے ایک ایسے افسوس ناک حادثے کا ریکارڈ ہے جس نے اس کی زندگی کی تگ و دو کو ایک تکلیف دہ موت پر ختم کر دیا۔ جب داراشکوہ کو شکست ہوئی تو انتہائی بے دردی سے اس کا تعاقب کیا گیا۔ گرفتاری سے بچنے کے لئے اس نے سندھ کے دشوار گزار میدان میں پناہ لی لیکن وہاں بھی دغا بازی نے پیچھا نہ چھوڑا۔ جس کو اس نے دوست سمجھا اسی نے غداری کی۔ لیکن اس کی زندگی کی تلخیوں کا جام ابھی لبریز نہ ہوا تھا۔ ایک پیادہ قاصد کے ذریعے اس کو اپنی اس بیوی کی افسوس ناک موت کی خبر ملی جس کو وہ سب سے زیادہ چاہتا تھا اور جس نے زندگی کی ہر مصیبت میں اس کا ساتھ دیا تھا۔ اس کو معلوم ہوا کہ گرمی اور پیاس نے اس کی جان لی اور اپنی پیاس بجھانے کے لئے اسے وطن میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہ مل سکا۔ شہزادہ اس خبر سے متاثر ہو کر ایسا گرا جیسے بے دم ہو گیا۔ یہ شہزادے کی وہی بیوی تھی جسے اس نے یہ گراں مایہ البم تحفے کے طور پر دیا تھا۔

محمد محفوظ الحق نے داراشکوہ کی کتاب ”مجمع البحرین“ مرتب کی۔ اس کے تعارف میں انہوں نے دارا کی خطاطی کے کئی ایک نمونوں کا ذکر کیا ہے۔ 1051ھ میں

اس نے ہرن کی کھال پر قرآن مجید لکھا۔ اس میں تمام آیات سونے کے پانی سے لکھی گئی ہیں۔ عنوانات پھول دار ڈیزائن سے مزین ہیں۔ یہ نسخہ حیدر آباد دکن کی عزیز باغ لائبریری میں محفوظ ہے۔ ایک مٹلا ”پنج سورہ“ مخط نسخ و کٹور یہ میموریل ہال کے ٹرسٹیوں کے پاس ہے۔ ”پندرہ سطور“ کا ایک نسخہ عمدہ نستعلیق میں و کٹور یہ میموریل ہال کلکتہ میں ہے۔ اس کی تحریر کردہ وصلیاں مختلف مقامات پر محفوظ ہیں۔

بکراجیت حسرت لکھتا ہے (5) کہ داراشکوہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ”سفینۃ الاولیاء“ 1890ء میں لاہور کے دیوان بہادر راجہ نریندر ناتھ کے پاس تھی۔ اس کی تحریر 1049ھ کی ہے۔ یہ مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی اور ہسٹریکل کالج میگزین، مئی 1934ء کے شمارے میں آیا ہے اور اس کی ایک کاپی پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں بھی موجود ہے۔

حوالے

- Percy Brown: Indian Painting under the-1
Mughals, Association Press, 1918.
ترجمہ: عبیدالحق، ہندوستانی مصوری (عہد مغلیہ میں)، نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا، نئی
دہلی-1981ء۔
- 2- ابوالفضل، آئین اکبری- مطبع نول کشور، لکھنؤ۔ اگست 1869ء۔
- 3- غلام محمد، تذکرہ خوش نویساں۔ تصحیح مجدد ہدایت حسین، ایشیاٹک سوسائٹی آف
بنگال، کلکتہ-1328ھ۔ صفحہ 95۔
- 4- ہندوستانی مصوری، صفحہ 106۔
- 5- بکراجیت حسرت، داراشکوہ (بزبان انگریزی)، منشی رام منوہر لال پبلشرز، نیو دہلی،
طبع دوم، 1982ء۔ صفحہ 162۔

حواشی

☆ عبدالرشید دہلوی جو آقا رشید کے نام سے مشہور ہے۔ میر عماد کا بھانجا اور شاگرد رشید تھا۔ اس نے میر عماد کے بعد ملا میر علی تمبرزی کی روش کو درجہ کمال پر پہنچا دیا۔ اس کی شہرت خطہ ایران سے گزر کر ہندوستان تک پہنچ چکی تھی۔ میر عماد کے قتل کے بعد یہ بھی جلا وطن ہو کر پریشان حال تھا، شاہجہاں نے اسے ہندوستان بلا لیا اور یہاں آنے پر شاہزادہ داراشکوہ کا استاد مقرر کیا۔ اسے پینمبر ملت خطاطی کہا جاتا ہے۔ تمام عمر مشق خط کرتا رہا۔ بڑھاپے میں بھی مشق نہ چھوڑی۔ خط نستعلیق میں اس مرتبہ کا استاد ہندوستان میں کوئی نہیں ہوا۔ اس خط کی تمام خوبیاں اس پر ختم ہو گئیں۔ داراشکوہ کے علاوہ محمد اشرف عبدالرحمن اور میر حاجی اس کے نامور شاگرد گزرے ہیں۔ 1081ھ / 1670-71ء میں اس کا انتقال ہوا۔

کہتے ہیں کہ کسی شاعر نے آقا رشید کی تعریف میں ایک قصیدہ پیش کیا۔ اس نے کوئی صلہ دینے کی بجائے وہی قصیدہ لکھ کر اس کو واپس دے دیا۔ شاعر کو معاوضہ نہ ملنے کا افسوس ہوا، مگر جب آقا کے قدر دانوں کو معلوم ہوا تو شاعر کو اس قدر رقم دے کر وہ قصیدہ خرید لیا کہ شاعر اس کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا۔

(مولوی احترام الدین احمد شاعلی عثمانی، صحیفہ خوش نویساں، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، طبع دوم، 1987ء۔ صفحہ 151)

☆ عبدالصمد شیریں رقم شاہ شجاع شیرازی کے وزیر خواجہ نظام الملک کا بیٹا تھا۔ وہ 951ھ / 1544ء میں بمقام بریز ہمایوں بادشاہ کے پاس آیا۔ پھر 956ھ / 1549ء میں

کابل پہنچ کر باریاب دربار ہوا۔ اکبر بادشاہ کے عہد میں پہلے فتح پور سیکری کی نکسال کا امین مقرر ہوا اور پھر ملتان کا صوبہ دار۔ خط خفی میں یہ کمال تھا کہ خشخاش کے دانے پر قل ہوا اللہ لکھ دیتا تھا۔ خط جلی و خفی میں خاص شان تھی۔ شیریں رقم خطاب شاہی تھا۔ قابل ولایت امیر بھی تھا اور عمدہ شاعر بھی۔
(صحیفہ خوشنویسیاں، صفحہ 154)

☆ اردو کے نستعلیق خط کا ذکر کرتے ہوئے احترام الدین احمد لکھتے ہیں کہ جو مقامی اثرات زبان میں ملیں گے وہی خصوصیات نستعلیق میں نمایاں ہوں گی۔ لکھنؤ کے لب و لہجہ میں جو لوج، نزاکت اور مٹھاس ملے گی وہی نفاست اور دلکشی و شیرینی لکھنؤ قلم میں نظر آئے گی، اور جو متانت و سنجیدگی دہلی کے اردوئے معلیٰ میں ہے۔ وہی پختگی اور دل آویزی نظافت دہلی قلم کی خصوصیت ہے۔ لاہور کے لب و لہجہ میں جیسا کھلا فرق کان محسوس کریں گے ویسا ہی تفاوت وہاں کے لمبے دائروں اور کھڑی روش سے ظاہر ہوگا۔ رہا دکن تو وہاں جو اثرات زبان دہلی اور لکھنؤ والوں نے چھوڑے ہیں وہی ملا جلا رنگ خط میں ملتا ہے، بلکہ دکن کے مقابلہ میں بہار اور کشمیر قلم میں انفرادیت پائی جاتی ہے۔ رہا شکستہ تو وہ اردو کے مزاج کے عین مطابق ہے۔ اس لئے کہ جس طرح اردو کا دامن ہر زبان کے جواہر پاروں سے پر ہے اسی طرح خط شکستہ میں بھی عربی و فارسی رسم خط کی ملاوٹ ہے۔
(صحیفہ خوشنویسیاں صفحہ 27)

☆ شہزادہ مراد کے مطابق داراشکوہ نے یہ مشق بہم پہنچائی تھی کہ شاہجہاں کے خط میں بالکل اپنا خط ملا دیتا تھا اور فرامین میں شاہجہاں کے دستخط اپنے ہاتھ سے بناتا تھا۔ چنانچہ وہ ایک خط میں شہزادہ اورنگ زیب کو لکھتا ہے۔ ”مخد (داراشکوہ) خود تقلید خط اقدس (شاہجہاں) را بہ مرتبہ کمال رسانیدہ بر فرامین دستخط می کند“۔ مولانا ابوالکلام آزاد رقم طراز ہیں کہ مراد جو خود ایک فریق ہے اور داراشکوہ کا دشمن، اس کے قول کی سند کس

طرح لائی جاسکتی ہے۔ آزاد کی بات میں وزن نہیں کیونکہ مراد پبلک کے مطالعے کے لئے تاریخ کی کتاب نہیں لکھ رہا، بلکہ اپنے ایک ساتھی (اورنگ زیب) کو اطلاع دے رہا ہے کہ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے۔

(شبلی نعمانی، مضامین عالمگیر، مطبع انتظامی، کانپور، 1911ء۔ سید مسیح الحسن (مرتب)، حواشی ابوالکلام آزاد، اردو اکادمی، دہلی، مارچ 1988ء)

آٹھواں باب

سراکبر

”سراکبر“ دارا شکوہ کے قلم سے 50 اپنشدوں کا فارسی میں ترجمہ ہے (1) لیکن اس پر تبصرہ کرنے سے پہلے ہم تصوف، مسئلہ وحدت الوجود اور اپنشدوں کے بارے میں چند ضروری باتیں رقم کریں گے۔

شاہ ولی اللہؒ کے مطابق اسلام کے پہلے دور میں لوگ نمازیں پڑھتے تھے، ذکر و تلاوت کرتے تھے، روزے رکھتے تھے، حج کرتے تھے، صدقہ اور زکوٰۃ دیتے تھے اور جہاد کرتے تھے۔ ان میں سے کوئی شخص ایسا نہ تھا جو سر نیچا کئے بحر تفکرات میں غرق نظر آتا۔ یہ بزرگ خدائے تعالیٰ سے قرب و حضوری کی نسبت صرف اعمال شریعت اور ذکر و تلاوت کے ذریعے حاصل کرنے کی سعی کرتے..... ان میں سے کوئی شخص نہ بے ہوش ہوتا اور نہ اسے وجد آتا اور نہ وہ جوش میں آکر کپڑے پھاڑنے لگتا اور نہ خلاف شرع کوئی لفظ اس کی زبان سے نکلتا (2)۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ احساس ہونے لگا کہ اگرچہ نماز، روزہ اور دوسرے فرائض ادا تو کئے جا رہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا جو حق ہے وہ ادا نہیں ہو رہا۔ چنانچہ کچھ بزرگوں نے کہ صوف (اون) کا لباس زیب تن کرنے کی وجہ سے صوفی کہلائے، اللہ سے ڈرنے کا حق ادا کرنے کے لئے دنیا سے بے نیازی کا اظہار کیا۔ ان کا مسلک تصوف کہلایا۔ ابتدائی دور میں تصوف اللہ سے تعلق اور تزکیہ نفس ہی کا دوسرا نام تھا۔ شریعت کی پیروی پر پورا پورا زور دیا جاتا تھا۔ لیکن متاخرین صوفیاء نے

ترک دنیا کے ساتھ نفس کشی کو بھی جزو تصوف قرار دیا۔ اس سلسلے میں علامہ ابن الجوزیؒ کہتے ہیں (3):

”شیطان لوگوں کو اس وہم میں ڈالتا ہے کہ زہد ترک مباحات کا نام ہے۔ چنانچہ بعض صرف جو کی روٹی پر گزارہ کرتے ہیں اور بعض پھل نہیں کھاتے اور بعض کھانا کم کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ بدن سوکھ جاتا ہے اور صوف کا لباس پہن کر اپنے نفس کو سزا دیتے ہیں اور اسی غرض سے ٹھنڈا پانی استعمال نہیں کرتے۔ یہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے اور نہ آپ کے اصحاب اور تابعین کا۔ جب ان کے پاس کھانے کو کچھ نہ ہوتا تو بھوکے رہتے، لیکن جب مل جاتا تو کھاتے تھے۔“

جنہوں نے انسانی نفسیات کا مطالعہ کیا ہے وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ بعض انسان جب اپنے معاشرے سے ناامید اور مایوس ہو جاتے ہیں تو اس کے رد عمل کے طور پر وہ دنیا سے متنفر ہو کر زندگی بسر کرنے کے لئے رہبانیت کے طریقے اپنالیتے ہیں۔ تصوف کے ارتقائی مراحل کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری صدی ہجری کے آغاز تک مسلم صوفیاء کے یہاں اعمال کی حد تک رہبانیت کے اثرات موجود تھے۔ لیکن کسی خارجی فلسفیانہ فکر کا اضافہ نہیں ہوا تھا۔ مگر حضرت ذوالنون مصریؒ (متوفی 245ھ) کے عہد سے یہ تبدیلی بھی شروع ہو گئی۔ وہ پہلے صوفی ہیں جن کے یہاں خارجی فکر کے اثرات ملتے ہیں۔ حضرت جنید بغدادیؒ (متوفی 297ھ) کے یہاں یہ اثرات مزید نمایاں ہو جاتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ وہ اتباع شریعت پر زور دیتے تھے لیکن ان کے یہاں ظاہری علم سے ہٹ کر سوچنے کی بات بھی ہوتی تھی۔

ہندوؤں کے ہاں اوتار کا عقیدہ عام ہے۔ اس عقیدے کی رو سے خدا انسان کی شکل میں نمودار ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ ہندو رام چندر اور کرشن سے لے کر موہن داس کرم چند گاندھی تک کو اوتار مانتے رہے ہیں۔ جن لوگوں نے اسلام کا نام لے کر اس عقیدے کا اعلان کیا ان میں حسین بن منصور حلاج کا نام بھی آتا ہے۔ اس کا دعویٰ تھا کہ جب معاشرہ انحطاط پذیر ہوتا ہے تو خدا کسی انسان کی شکل میں اس کو ارضی پر نمودار

ہوتا ہے۔ اس کی ذات اس انسان میں حلول کر جاتی ہے۔ یہ سمجھ کر کہ خدا کی ذات اس میں حلول کر گئی ہے، حسین بن منصور حلاج نے ”انا الحق“ کا نعرہ بلند کیا۔ حلول کا عقیدہ صاف صاف کفر دکھائی دیتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو ایک انسانی شکل میں مقید کر دیتا ہے۔ اس لئے اسے حلول مقید بھی کہتے ہیں۔ یہ عقیدہ مسلمانوں میں قبول عام نہ پاسکا۔ صوفیاء نے اس حلول مقید کو حلول عام میں تبدیل کر دیا۔ عام فہم زبان میں انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ کائنات میں کوئی شے اپنا حقیقی وجود نہیں رکھتی۔ جو کچھ نظر آتا ہے، سب خدا ہی ہے، یعنی خدا ہر شے ہے اور ہر شے خدا ہے۔ اس کو تصوف کی اصطلاح میں عقیدہ ”وحدت الوجود“ کہتے ہیں۔ محی الدین ابن عربی پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسلمانوں میں ”وحدت الوجود“ کے تصور کو منظم و مستحکم کیا۔ بعد میں دوسرے لوگوں نے اسے آگے بڑھایا۔ یہ لوگ کیفیات و احوال کی منزل سے آگے بڑھ کر خدا اور کائنات کے اسرار و رموز پر بحث کرنے لگے (4)۔

ابن عربی کے نزدیک بھی حلول مقید کفر ہے کیونکہ ان کے ماننے والے خدا کو ایک خاص شکل و صورت میں محدود کر دیتے ہیں۔ اس کے نقطہ نظر سے اگر کائنات کی ہر چیز کو خدا کہا جائے تو یہ اصل توحید ہے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب ”فصوص الحکم“ کے باب ”نص موسوی“ میں لکھتے ہیں: ”فرعون کو ایک طرح سے حق تھا کہ انا ربکم الاعلیٰ کہے کیونکہ فرعون ذات حق سے جدا نہ تھا اگرچہ اس کی صورت فرعون کی سی تھی“۔ باب ”نص نوحی“ میں کہتے ہیں کہ اگر حضرت نوح اپنی قوم کو صحیح طریقے سے دعوت دیتے تو قوم کو دعوت قبول کرنے میں دشواری نہ ہوتی۔ ”نص ہارونی“ میں رقم طراز ہیں کہ حضرت ہارون کی نسبت حضرت موسیٰ زیادہ جانتے تھے کہ پچھڑے کی پوجا کرنے والوں نے اصل میں کس کی عبادت کی۔ حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کو جو تنبیہ کی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بنی اسرائیل کو پچھڑے کی پوجا سے منع کرتے تھے۔ حالانکہ عارف وہ ہے جو ہر شے میں حق کو دیکھے۔ ابن عربی کے نزدیک یہ کہنا غلط ہے کہ خدا عیسیٰ ابن مریم ہے کیونکہ کائنات کی ہر چیز خدا ہے۔ اس کے نزدیک بت پرستوں کا کفر بھی یہی تھا کہ وہ چند مظاہر کو

خدا سمجھتے تھے اور باقیوں کا انکار کرتے تھے (5)۔

قصہ مختصر یہ کہ ابن عربی کے نزدیک مخلوقات کا اپنا کوئی ذاتی وجود نہیں۔ اس انکار سے انسان کی زندگی کی پوری داستان بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ چنانچہ ہندوستان میں اور لوگوں کے علاوہ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور علامہ محمد اقبالؒ نے بھی اس نظریے کی شدید مخالفت کی۔ اور کہا کہ نہ صرف خدا خالق ہے اور کائنات اس کی مخلوق۔ بلکہ خدا اپنی کائنات سے ماورا ہے۔ انسان کا کمال یہ ہے کہ وہ فنا فی الاحکام حق تعالیٰ ہو۔

اطراف احمد اعظمی کہتے ہیں (6) کہ تاریخی طور پر ثابت ہے کہ وحدت الوجود کا نظریہ اسلام سے بہت پہلے موجود تھا۔ اس کے ماخذوں میں اپنشد بھی شامل ہیں۔ اس لئے آئیے اب ہم اپنشدوں کی تعلیم پر غور کریں:

اپنشد ہندوؤں کی مقدس کتاب وید کے اختتامی حصے ہیں۔ اس لئے انہیں ویدانت بھی کہتے ہیں۔ اپنشدوں میں حقیقت اعلیٰ (خدا) کی تعریف یوں کی گئی ہے: مقتدر اعلیٰ (Almighty) لامحدود (Infinite) ازلی (Eternal) ناقابل ادراک (Incomprehensible) واجب الوجود (Self existent) خالق (Creator) قیوم (Preserver) ہالک (Destroyer) دنیا کی روشنی اور آقا (Lord) ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور صرف وہی عبادت کا مستحق ہے۔ اپنشدوں کے مطابق انسان کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ وہ حقیقت اعلیٰ کا عرفان حاصل کرے جس نے ایسا کر لیا اسے نجات حاصل ہو گئی (7)۔ اپنشدوں میں اکثر مقامات پر حقیقت اعلیٰ کے لئے ”برہمن“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور اسی کو کائنات کی مرکزی قوت تسلیم کیا گیا ہے۔ تمام دوسری قوتیں اسی سے نکلتی ہیں۔ اس کو برہما بھی کہتے ہیں، یعنی خالق کائنات۔ برہمن اصل ہے اور ”برہما“ اس کی ایک صفت (8)۔

اپنشد کہتے ہیں کہ آگ، وقت، سانس، غذا، وشنو وغیرہ دراصل حقیقت اعلیٰ (برہمن) کے مظاہر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یعنی کائنات کی ہر شے میں خدا موجود ہے۔ اس لئے جو لوگ کائناتی قوتوں میں سے کسی قوت کی عبادت کرتے ہیں وہ بھی غلط نہیں ہیں کہ

بالواسطہ یہ اسی کی عبادت ہے۔ شویت کو باقی رکھنے کے ساتھ ہی اپنشدوں نے دیوتاؤں کو برہمن کا تابع کہا ہے وہ اس کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔ آگ اس کی مرضی کے بغیر گھاس کا ایک تنکہ بھی نہیں جلا سکتی۔ اسی کے حکم سے آگ جلتی ہے، سورج چمکتا ہے اور اسی کے حکم سے موت ہو اور بادل اپنے اپنے فرائض انجام دیتے ہیں (9)۔

گویا اپنشدوں میں مرکزی اقتدار کا تصور واضح ہونے کے باوجود دیوتاؤں کو ختم نہیں کیا گیا بلکہ ان کو مرکزی اقتدار کے اجزائے ترکیبی کی حیثیت سے باقی رکھا ہے (10)۔ ویدانتی فلسفہ کے مطابق اگر روح عالم (برہما) ایک لمحہ کے لئے بھی عالم سے الگ ہو جائے تو تمام مادی اشیاء جو اس سے قائم ہیں، نابود ہو جائیں۔ اس لئے عالم مادی کی اپنی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ دنیا ”برہما“ سے نکلی ہے لیکن یہ اس طرح نہیں جس طرح تخم سے شجر نکلتا ہے، بلکہ اس طرح جیسے کرنیں سورج سے نکلتی ہیں۔ اپنشدوں کے مطابق برہما عالم موجودات سے ماورا نہیں ہے بلکہ اسی میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ اسی سے تمام اشیاء نکلی ہیں اور نکل کر اسی میں رہتی ہیں اور (بعد فنا) اسی میں چلی جاتی ہیں (11)۔

اپنشدوں کا نظریہ خدا کو کائنات سے ماوراء نہیں سمجھتا بلکہ اسی میں سرایت کئے ہوئے کہتا ہے۔ عبادت کا مفہوم احکام خداوندی کی تعمیل نہیں بلکہ اس کی ذات کا عرفان ہے۔ اس لحاظ سے یہ ”وحدت الوجود“ کے نظریے سے ہم آہنگ ہے۔ اسی کے پیش نظر داراشکوہ نے جو وحدت الوجودی نظریے کا بڑا علم بردار تھا، 50 اپنشدوں کا ”سر اکبر“ کے نام سے فارسی میں ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ 6 مہینوں میں مکمل ہوا۔ ”اپ“ کا مطلب نزدیک ہے۔ ”نی“ کا مطلب نیچے اور ”سد“ کا مطلب بیٹھنا ہے۔ گویا ”اپنشد“ کا مفہوم شاگرد کا استاد کے نزدیک بیٹھ کر اس کی رازدارانہ باتیں سنانا ہے۔ اس ترجمے کی سب سے بڑی خوبی اس کی سادگی میں ہے۔ اپنی روانی اور سادگی کے لحاظ سے یہ فارسی کے بہترین نمونوں میں سے ہے۔ اس کتاب کے تعارف میں داراشکوہ نے بتایا ہے کہ اس نے یہ ترجمہ کیوں کیا۔ اگرچہ اس نے تصوف کے بارے میں بہت سی تصنیفات کا مطالعہ کیا تھا اور خود بھی اس موضوع پر کئی رسالے تحریر کر چکا تھا، اس کے باوجود توحید کے وسیع سمندر پر

عبور حاصل کرنے کے لئے اس کی آرزو شدید سے شدید تر ہوتی گئی۔ اس کے ذہن میں نئے نئے مسائل آرہے تھے۔ جن کا حل فرمودہ خداوندی سے رجوع کئے بغیر ناممکن تھا۔ داراشکوہ کہتا ہے کہ قرآن مجید زیادہ تر استعاروں میں ہے اور اس دور میں وہ حضرات جو اس کی باریکیوں سے واقف ہوں بہت کم ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن مجید میں بہت سے سربستہ راز ہیں جن کا شارح ملنا بہت دشوار ہے۔ اس لئے میں نے تمام الہامی کتابوں کو پڑھنا چاہا کیونکہ خدا کی باتیں ایک دوسرے کی وضاحت و تشریح کرتی ہیں۔ میں نے تورات، انجیل، زبور اور فرقان کا مطالعہ کیا، لیکن ان الہامی کتابوں میں توحید کا ذکر مختصر اور ایک خلاصے کی شکل میں تھا۔ اس کے بعد میں نے ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ اور یہ دیکھا کہ ان میں تصور وحدانیت نمایاں ہے۔ نیز قدیم مسلک کے علمائے ظاہری و باطنی، وحدت کے منکر نہیں بلکہ توحید پر مکمل یقین رکھتے ہیں۔ برخلاف اس وقت کے جملاء کے جو اپنے آپ کو علماء قرار دیتے ہیں اور ہر وقت خدا شناسوں اور موحدان کے کفر و انکار سے انہیں تکلیف و آزار دیتے رہتے ہیں۔ قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی قوم ایسی نہیں ہے کہ جس کے پاس رسول نہ آیا ہو۔ داراشکوہ لکھتا ہے کہ ہندوستان میں چار الہامی کتابیں، چار وید، انبیاء وقت پر کہ ان میں سب سے بزرگ حضرت آدمؑ ہیں، نازل ہوئیں۔ ویدوں میں پائے جانے والے توحید کے اشعار اپنشدوں میں جمع کئے گئے ہیں اور ان کی وضاحت کی گئی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر اس کے ذہن میں کوئی بھی مشکل مسئلہ یا ارفع خیال آیا جو اس کی بہترین کوششوں کے باوجود حل نہ ہو سکا تو اس قدیم کتاب کی مدد سے وہ مسئلہ واضح اور وہ عقدہ وا ہو گیا۔ داراشکوہ کے مطابق یہ پہلی آسمانی کتاب ہے۔ یہ توحید کا سرچشمہ ہے اور قرآن سے ہم آہنگ ہے یا یوں کہئے کہ اس کی شرح ہے۔

داراشکوہ کے مطابق قرآن کی مندرجہ ذیل آیت میں ”کتاب مکنون“ سے

مراد اپنشد ہیں:

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِى كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝ تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّكَ

رَبِّ الْعَالَمِينَ (سورہ واقعہ 56: 80-77)

(بے شک یہ قرآن گرامی قدر ہے۔ یہ ایک پوشیدہ کتاب (لوح محفوظ) میں ہے۔ اسے پاک لوگوں کے سوا ہاتھ نہیں لگاتے۔ تمام جہانوں کے رب (کی طرف) سے اتارا ہوا ہے۔)

داراشکوہ لکھتا ہے کہ مندرجہ بالا آیت نہ تو زبور، توریت اور انجیل اور نہ ہی لوح محفوظ سے متعلق ہے کیونکہ موخر الذکر کے بارے میں تنزیل کا لفظ استعمال نہیں ہو سکتا، چونکہ اپنشد ایک راز ہیں اور قرآن کی آیات حرف بحرف اس میں مل جاتی ہیں، اس لئے یہ بات یقینی ہے کہ کتاب مکنون کا اشارہ اپنشدوں کی طرف ہی ہے۔ داراشکوہ کی یہ تشریح صحیح نہیں۔ کیونکہ تنزیل کا لفظ لوح محفوظ کے لئے نہیں بلکہ قرآن مجید کے لئے ہے۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ”تفہیم القرآن“ میں لکھتے ہیں (12) کہ لوح محفوظ ایک ایسا نوشتہ ہے جو چھپا کر رکھا گیا ہے، یعنی جس تک کسی کی رسائی نہیں ہے۔ قرآن کے اس میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے رسول اکرم پر نازل کئے جانے سے پہلے قرآن لوح محفوظ میں تحریر ہو چکا اور اس میں کی تبدیلی کا قطعاً کوئی امکان نہیں ہے کیونکہ وہ ہر مخلوق کی دست رس سے بالاتر ہے۔ کفار مکہ رسول اکرم ﷺ کو کاہن قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ تمام کلام آپ پر جن اور شیاطین القا کرتے ہیں۔ قرآن نے اس کا یہ جواب دیا کہ لوح محفوظ کو مطہرین (یعنی فرشتوں) کے سوا کوئی چھو نہیں سکتا۔ شیاطین تو اس کے قریب پھٹک بھی نہیں سکتے۔ فرشتوں کو ”مطہرین“ اس لئے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر قسم کے ناپاک جذبات اور خواہشات سے پاک رکھا ہے۔

داراشکوہ کہتا ہے کہ اس کام (ترجمے) میں اس کا مقصد سوائے اس کے کچھ اور نہیں کہ وہ خود، اس کی اولاد، اس کے دوست اور متلاشیان حق اس کے ثمر سے لطف اندوز ہوں۔ ہر وہ شخص جس پر خدا کا لطف و کرم ہے اور جس نے تمام تعصبات کو الگ کر دیا ہے، جب اس ترجمے کو پڑھے اور سمجھے گا تو اپنشدوں کو الہامی ملفوظات جانے گا۔ اسے نہ کوئی تشویش ہوگی نہ ڈر نہ رنج اور وہ خدا کے فضل و کرم سے مضبوط و توانا ہوگا۔

اپنشدوں کے فلسفے کو یورپ میں متعارف کرنے کا کریڈٹ داراشکوہ کو جاتا ہے۔ اس نے 50 اپنشدوں کا فارسی میں ترجمہ کیا جس سے سنسکرت زبان سے نا آشنا لوگ بھی ان کے مضامین سے آگاہ ہو گئے، لیکن ایک صدی سے زیادہ عرصہ تک یہ ترجمہ ہندوستان تک ہی محدود رہا۔ پھر ایک عجیب اتفاق سے یہ یورپ پہنچ گیا۔ وہ اس طرح کہ 1775ء میں ڈیوپرون (Duperon) کو برنئے (Bernier) کی وساطت سے ہندوستان سے ”سراکبر“ کا ایک مسودہ مل گیا۔ اس نے اس کا فرانسیسی اور لاطینی زبانوں میں ترجمہ کر ڈالا اور 2-1801 میں پیرس سے دو جلدوں میں شائع کیا۔ اس ترجمے میں ایک مفصل تعارف اور بہت سے حواشی ہیں۔ جرمن فلاسفر شوپنہار (Schopenhaur) کو اس لاطینی ترجمہ کی ایک کاپی مل گئی۔ اس نے اس کا بغور مطالعہ کیا۔ میکس ملر (Max Muller) کہتا ہے کہ یہ ترجمہ اس موضوع سے سکالرز کے بے حد لگاؤ کے باوجود انتہائی غیر واضح انداز میں کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کی بھول بھلیوں میں صحیح راستے کا سراغ لگانے کے لئے شوپنہار جیسے فلسفی کی ژرف نگاہی درکار تھی۔ شوپنہار نے اس کتاب کی اہمیت کو محسوس کیا اور اس کی دریافت کو انیسویں صدی کا عظیم کارنامہ قرار دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ثانوی ترجمہ اہم ترین تاریخی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ یہ پہلا کام ہے جو ہندوستانی فلسفہ کو مغرب کے علم میں لایا۔ شوپنہار کہتا ہے کہ اپنشد ایک ناقابل یقین زمانے کے ہیں۔ یہ فکر کے وسیع خزانے ہیں جو ایک خوفناک طرز کلام کے نیچے دفن تھے، اور جن کا مطالعہ دنیا میں سب سے زیادہ صلہ دینے والا اور سرفراز کرنے والا ہے۔ نیز یہ کتاب اس کی زندگی کی تسلی اور موت کا اطمینان ہے۔ وہ اس ترجمے کے لئے داراشکوہ کو زبردست خراج عقیدت ادا کرتا ہے۔

داراشکوہ کے کہنے کے مطابق اس نے اپنشدوں کا فارسی میں ترجمہ اپنے لئے، اپنے بچوں کے لئے، اپنے دوستوں کے لئے اور متلاشیان حق کے روحانی فیض کے لئے کیا تھا۔ فارسی اس زمانے میں مشرق میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی زبان تھی، اور بہت سے یورپی سکالرز بھی اسے بخوبی سمجھتے تھے۔ اس لئے یہ ترجمہ ان لوگوں کی پہنچ میں آ گیا جو

ہندوستان کے مذہبی لٹریچر سے دلچسپی رکھتے تھے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ ہندوستان میں ”سراکبر“ میں کوئی خاص دلچسپی پیدا نہ ہوئی۔ مسلمانوں نے اس کی زیادہ پروا نہ کی اور اسے زیادہ تر صرف دربار کے ہندو امرانے، جو فارسی زبان سے آگاہ تھے، پڑھا اور آج بھی یہ ایک بھولی بسری کہانی کی طرح ہے (13)۔

ترجمے کی صحت اور خوبی کے بارے میں بہت کچھ کہا جاسکتا ہے۔ داراشکوہ کا اپنا دعویٰ یہ ہے کہ اس نے توحید کے اس خزانے کو جس کے ماہرین ہندوؤں میں بھی خال خال ملیں گے، رواں انداز میں حرف بحرف ترجمہ کر دیا۔ جن لوگوں نے سنسکرت کے مسودے سے اس کا مقابلہ کیا ہے وہ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔

داراشکوہ نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ ترجمے میں اسلامی اسلوب اور اصطلاحات اختیار کی جائیں تاکہ پڑھنے والے کو آسانی ہو۔ اس سے ”سراکبر“ میں ایک شاندار ترجمے کے وقار سے بڑھ کر ایک طبع زاد کام کا سحر محسوس ہوتا ہے۔ چنانچہ اس نے ”مہادیو“ کے لئے ”اسرافیل“، ”وشنو“ کے لئے ”میکائیل“، ”برہمان“ کے لئے ”جبریل“، ”برہم لوک“ کے لئے ”سدرہ المنتہی“، ”آکاش وانی“ کے لئے ”وحی“ اور ”مہاپرلی“ کے لئے ”قیامت“ کے الفاظ استعمال کئے ہیں (14)۔

بحیثیت مجموعی، یہ ترجمہ نہایت عمدہ اور قابل تعریف ہے۔

حوالے

- 1- داراشکوہ، سر اکبر، مخطوطہ، کلکتہ یونیورسٹی لائبریری۔ و مخطوطہ نمبر 103
- E/ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال۔ و مخطوطہ نمبر 50، نظام سٹیٹ لائبریری، حیدرآباد۔ و مرتبہ ڈاکٹر تارا چند وسید محمد رضا جلالی نائینی، طبع تہران۔ 1957ء۔
- 2- شاہ ولی اللہ، معات، شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد، سندھ۔ صفحہ 16۔
- 3- علامہ ابن جوزی، تلخیص البلیس۔ صفحہ 151۔ ترجمہ: ابو محمد عبدالحق، کارخانہ تجارت کتب، کراچی۔ صفحہ 211۔
- 4- الطاف احمد اعظمی، وحدت الوجود: ایک غیر اسلامی نظریہ، قاضی پبلشرز، نیو دہلی، انڈیا۔ 1993ء۔
- 5- محی الدین ابن عربی، فصوص الحکم (مع تعلیقات بقلم ابوالعلا عینی)، دار احیاء الکتب العربیہ۔ 1946ء۔ ترجمہ از محمد عبدالقدیر صدیقی، نذیر سنز پبلشرز، اردو بازار، لاہور۔ 1992ء۔ فص موسوی: صفحہ 211 ترجمہ: صفحہ 415۔ فص ہارونی: صفحہ 192 ترجمہ: صفحہ 384۔ فص نوحی: صفحہ 70 ترجمہ صفحہ 58۔ ساجد علی، الاعلام، لاہور۔ جلد 1، شماره 5، ستمبر 1982ء۔
- 6- وحدت الوجود، صفحہ 26۔
- 7- بحوالہ: رادھا کرشنن، انڈین فلاسفی، جلد اول
- The New Encyclopedia of Religion: Vol. 15, p 207-8
- F. Max Muller, Sacred Books of the East, Vol. 34, p 59
- 9- وحدت الوجود، صفحہ 27

- 10- انڈین فلاسفی: جلد اول صفحہ 144- وحدت الوجود صفحہ 28
- 11- انڈین فلاسفی، جلد اول۔
- 12- ابو الاعلیٰ مودودی، 'تفہیم القرآن' ادارہ ترجمان القرآن، لاہور۔ جولائی 1994ء۔ جلد پنجم، صفحہ 291۔
- Sacred Books of the East-13
- 14- بکراجیت حسرت، 'دارا شکوہ (بزبان انگریزی)' منشی رام منوہر لال پبلشرز، نیو دہلی، طبع دوم، 1982ء۔

حواشی

☆ ایشد یہ بھی کہتے ہیں کہ تمام چیزوں کا قیام اسی (یعنی خدا) پر منحصر ہے لیکن وہ خود کسی پر منحصر نہیں ہے۔

نامناسب نہ ہوگا اگر ہم اس بیان کی مناسبت سے یہاں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی زبان سے ایک واقعہ بیان کر دیں۔

شاہ صاحب نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ”اللہ الصمد“ کے معنی میں مجھے ہمیشہ تردد رہا کہ ”اللہ بے نیاز ہے“ سے دل کو تسکین نہ ہوتی۔ جیل میں شاہ عبد القادر کا ترجمہ قرآن مجید دیکھ رہا تھا کہ اچانک خیال آیا کہ دیکھیں شاہ صاحب کیا لکھتے ہیں۔ جب وہ جگہ نکالی تو حضرت نے ترجمہ کیا تھا۔ ”اللہ نرادھار ہے“ میں جیل کے ایک ساتھی پنڈت بنکی شرما کے پاس گیا، وہ ایک عالم اور فاضل آدمی تھا۔ اس سے پوچھا کہ یہ لفظ کیا ہے؟ وہ دیکھتے ہی جھومنے لگا، اور واہ واہ کے نعرے بلند کرنے شروع کر دیئے۔ میں نے چند لمحے انتظار کے بعد کہا، کیا عجیب آدمی ہیں۔ میں انتظار میں ہوں اور آپ اپنے ہی آپ لطف لے رہے ہیں۔ مجھے بھی تو علم ہو کہ کیا ہے اور کیا معنی ہیں۔ اس نے بتایا کہ یہ سنسکرت زبان کا لفظ ہے۔ نرادھار اور یہ اس ذات پر بولا جاتا ہے جس کا کام کسی بن نہ اڑے اور جس بن کسی کا کام نہ بنے۔ فرمایا، تب مجھے تسکین ہوئی اور یوں محسوس ہوا جیسے گمشدہ متاع مل گئی ہو۔

☆ داراشکوہ کا تحریر کردہ ”سراکبر“ کا دیباچہ حسب ذیل ہے۔

حمد ذاتیکہ نقطۂ بانی بسم اللہ در جمع کتب سماوی از اسرار قدیم (اوست) والحمد

کہ ام الکتاب است، در قرآن مجید اشارہ بہ اسم اعظم اوست، و جمع کتب سماوی و انبیا و اولیاء ہمہ مندرج در این اسم است و صلی اللہ علی خیر خلقہ محمد الہ واصحابہ اجمعین۔

اما بعد چون این فقیر بی اندوہ، محمد داراشکوہ در 1050ھ یک ہزار و پنجاہ ہجری بہ کشمیر جنت نظیر رفتہ بود، و بجازنہ عنایت الہی و فضل نامتناہی، سعادت ارادت اکمل کاملان، زبدۂ عارفان، استاد استادان، پیر پیران، پیشوائے پیشوایان، موحد حقائق آگاہ حضرت ملا شاہ سلمہ اللہ دریافت۔ و چون ذوق دیدن عارفان ہر طائفہ و شنیدن سخنان بلند توحید بہم رسیدہ بود و اکثر کتب تصوف بنظر در آورده و رسالہ ہا تصنیف کردہ بود و مستحکم توحید کہ بحریت بی نہایت، دمبدم زیادہ می شد و مسئلہ ہائے دقیق بخاطری رسید کہ حل آن جز بکلام الہی و اسناد (ارشاد) ذات نامتناہی امکان نہ داشت، و چون قرآن کریم و فرقان عظیم اکثری مرموز است و امروز دانندہ آن رمز کیاب، خواست کہ جمع کتب سماوی را بہ نظر در آورد، تا از ہمہ کلام الہی کہ تفسیر خود است اگر در کتابی مجمل باشد در کتابہائے دیگر مفصل یافتہ شود و از آن تفصیل آن اجمال دانستہ شود۔ نظر بر تورات و انجیل و زبور و فرقان و دیگر مصحف انداخت، اما بیان توحید در آنہا ہم مجمل و مرموز بود، و از ترجمہ سہلی کہ اہل غرض (کردہ) بودند، مطلوب معلوم نہ گردید۔

پس در پی آن شد کہ از چہ جہت در ہندوستان وحدت عیان، گفتگوئے توحید بسیار است و علمائے ظاہری و باطنی طائفہ قدیم ہند را بر وحدت انکاری و بر موحدان گفتاری نیست بلکہ پایہ اعتبار است۔ برخلاف جملائے این وقت کہ خود را علما قرار دادہ اند و در پی قیل و قال و آزار و بہ کفر و انکار خدا شناسان و موحدان افتادہ، جمع سخنان توحید را کہ از فرقان حمید و احادیث صحیح نبوی صریح ظاہر است، رومی نمایند و راہ زنان راہ خدا اند۔

بعد از این مراتب معلوم شد کہ در میان این قوم قدیم، پیش از جمع کتب سماوی، چہار کتب آسمانی کہ رک بید و حجر بید و سام بید و اتہربن بید باشد، بر انبیائے آن وقت کہ بزرگ ترین آنہا برہما کہ آدم صفی اللہ است، با جمع احکام نازل شدہ و این معنی از ہمیں کتابا ظاہر است۔ و از قرآن مجید نیز معلوم می شود کہ ہیچ قومی نیست کہ بے کتاب و پیغمبر

باشد چنانچہ می فرماید: و ما کنا معذبین حتی نبعث رسولا و در آیت دیگر: و ان من امة الا خلافیها نذیر و در جائے دیگر می فرماید: لقد ارسلنا رسلنا بالبینة و انزلنا معهم الکتب و المیزان۔ پس ازیں مشخص شد کہ اللہ تعالیٰ ہیچ قومی را عذاب نکند تا آنکہ رسول در آن قوم مبعوث نہ شدہ باشد، و ہیچ امتی نیست کہ در آن پیغمبری نہ گزشتہ باشد، و تحقیق کہ فرستادہ است رسولان را با معجزات ظاہر و نازل شدہ است بہ ایشان کتابی و میزان۔

و خلاصہ این چہار کتب را کہ جمیع اسرار سلوک و اشغال توحید صرف در آن مندرج است، اپنکمت می نامند و ابنائے آل زبان بر آن تفسیرہائے بہ شرح و وسط تمام نوشتہ اند و ہمیشہ آنرا بہترین عبادت دانستہ اند۔ این حق جوئی خود بسین راچوں نظر بر اصول وحدت ذات بود، نہ بر زبان عربی و سریانی و عبرانی و سنسکرت، خواست کہ این اپنکمت ہارا کہ گنج توحید است و دانندگان او در آن قوم ہم کم مانندہ اند، بزبان فارسی، بی کم و زیاد، و بی غرض نفسانی، عبارت راست، لفظاً بلفظاً ترجمہ نمود، فہمد کہ این جماعہ کہ آل را از اہل اسلام این قدر پوشیدہ و پنهان می دارند، در آن چہ سراسر است؟

وچوں در این ایام بنارس کہ دارالعلوم این قوم است، تعلق بہ این حق جو داشت، پنڈتان و سنیا سیان را کہ سر آمد وقت و بید و اپنکمت دان بودند، جمع ساختہ، خود این خلاصہ توحید را کہ اپنکمت ہا یعنی اسرار پوشیدنی باشد و متہائے مطلب جمیع اولیاء است، در 1067ھ ہزار و شصت و ہفت ہجری، بے غرضانہ ترجمہ نمود و ہر مشکلی و ہر سخن بلندی کہ می خواست و طالب آن بود و جست و نمی یافت، ازیں خلاصہ کتاب قدیم کہ بے شک و شبہ اولین کتب سماوی و سرچشمہ بحر توحید است و مطابق قرآن مجید بلکہ تفسیر آنست، یافت۔

و صریح ظاہری شود کہ این آیت بعینہ در حق این کتاب است: اِنَّ لِقُرْآنِ کریم فی کتب مکنون لا یمسہ الا المطہرون تنزیل من رب العالمین یعنی قرآن کریم در کتاب است کہ آل کتاب پنهان است و او را ادراک نمی کند مگر ولی کہ مطہر باشد، و نازل شدہ از پروردگار عالمیان است۔ و مشخص و معلوم شد کہ این آیت در حق زبور و

توریت و انجیل نیست و از لفظ تنزیل چینی ظاہری گزرد کہ در حق لوح محفوظ ہم نیست و چون اپنکت کہ سرپوشیدنی است، اصل این کتاب است و آیت ہائے قرآن مجید بعینہ در آن یافتہ می شود، پس تحقیق کہ کتاب مکنون این کتاب قدیم باشد، و ازین فقیر نادانستہ ہا رادانستہ و نا فہمیدہ ہا را فہمیدہ شد۔

وقت شروع در ترجمہ از مصحف مجید فال کشودہ و سورہ اعراف بر آمد کہ اول

این آیت: المص، کتب انزل الیک فلا یکن فی صدرک حرج منہ لتنذر بہ و ذکر ی للمومنین یعنی الف، لام، میم، صاد، کتابیست کہ نازل کردہ شدہ بہ سوئی تو ای محمد صلعم، پس نباشد در سینہ تو شکی از آن کتاب، و بیم کنی مردمان را و پندایت مومنان را۔

و بغیر از مستفید شدن خود و آل خود و دوستان خود و طالبان حق مطلبی و مقصودی

نہودہ۔ سعادت مندی کہ غرض نفس شوم گزاشتہ خالصاً لوجہ اللہ، این ترجمہ را کہ بہ ”سر اکبر“ موسوم است، ترجمہ کلام الہی دانستہ، ترک تعصب نمودہ بخواند و بفہمد، بے زوال و بے خوف و بے اندوہ رستگار موبد خواہد شد۔

☆ وید کا مطلب ہے علم، اور مراد اس سے الہامی علم ہے جس کا منبع انسانی فہم و

فراست نہیں اور وہ بغیر فکر کے حاصل ہوتا ہے۔ یہ روایاتی علم سے مختلف ہے جو پرانی نسلوں سے آنے والی نسلوں کو ملتا رہتا ہے۔ اکثر ہندوؤں کے مطابق وید الہامی اور دائمی ہیں۔ ان کی تعلیم جامع ہے۔ ان ویدوں کا ایک فرد کی پوری زندگی پر اطلاق ہوتا ہے۔

وید چار ہیں: رگ وید۔ سام وید۔ یجور وید اور اتھرو وید۔

ان کے ساتھ بعض ضمیمے بھی منسلک ہیں جو وضاحتی یا فلسفیانہ طرز کے ہیں۔

ڈاکٹر تارا چند کہتے ہیں کہ بہت طویل مدت تک ویدوں کو تحریر میں نہیں لایا

گیا۔ وہ صرف یادداشت میں محفوظ تھے۔ اس بات کا غیر معمولی دھیان رکھا گیا کہ اس

کتاب میں ذرا بھر بھی تبدیلی نہ ہو۔ اس کا کریڈٹ برہمنوں کو جاتا ہے۔ جنہوں نے اپنے

ذمے یہ مشکل کام لیا۔ انہیں اس کام میں حیرت انگیز کامیابی ہوئی۔ چنانچہ وید قرونوں سے

مکمل اور بغیر کسی تبدیلی کے چلے آرہے ہیں۔ لیکن تاہذا چنڈا پنے اس دعوے کے ثبوت
میں کوئی دلیل پیش نہیں کرتے۔

نواں باب

داراشکوہ کے خطوط

داراشکوہ کی رگ رگ میں تصوف رچا ہوا تھا، مشہور صوفیوں کے نام اس کے خطوط اس بات کے شاہد ہیں۔ سرد کاشانی، شاہ محمد لربا، شیخ محب اللہ آبادی اور ملا شاہ کے نام خطوط میں اس نے تصوف کے چند دقیق نکات سے آگاہی چاہی ہے۔ چنانچہ سرد کاشانی کے نام اپنے خط میں وہ رقم طراز ہے (1):

”پیرو مرشد من! ہر روز قصد ملازمت دارد، میسر نمی شود، اگر من منم، پس ارادہ من معطل چرا؟ و اگر من نیستم، چه تقصیر مرا؟ قتل امام حسین اگر چه مشیت ایزدی است، پس یزید در میان کیست؟ اگر غیر مشیت است، پس معنی یَفْعَلُ مَا یَشَاءُ ۝ و یَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ۝ چیست؟ نبی مختار بہ جنگ کفار می رفت، شکست در لشکر اسلام می افتاد۔ علمائے ظاہری گویند کہ تعلیم صبر است منتہی را تعلیم چه در کار؟“

سرد بایں بیت پاسخ داراشکوہ رامی دہد:

اے عزیز:

ما آنچه خوانده ایم، فراموش کرده ایم
الا حدیث دوست کہ تکرار می کنیم

میرے پیرو مرشد، ہر روز ملاقات کا ارادہ ہوتا ہے، لیکن ملاقات نہیں ہوتی، اگر

میں 'میں ہی ہوں تو میرا ارادہ معطل کیوں ہو گیا؟ اور اگر میں 'میں نہیں ہوں تو میری کیا
تفسیر ہے؟ قتل حسین اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے تو یزید بیچ میں کون ہے؟ اور اگر خدا کی
مرضی کے بغیر ہے تو پھر یَفْعَلْ مَا يَشَاءُ ۝ (سورہ آل عمران، 3: 40) (ترجمہ: وہ جو چاہتا ہے کرتا
ہے) وَيُحْكُمُ مَا يُرِيدُ ۝ (سورہ مائدہ، 5: 1) (ترجمہ: وہ جیسا کچھ چاہتا ہے حکم دیتا ہے) کا کیا مطلب
ہے؟ بنی مختار کفار سے جنگ کے لئے گئے۔ لشکر اسلام کو شکست ہوئی۔ علمائے ظاہر کہتے
ہیں کہ تعلیم صبر ہے۔ کامل کے لئے تعلیم کی کیا ضرورت ہے۔

سرد نے جواب میں یہ لکھ بھیجا۔

اے عزیز:

ما آنچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیث دوست کہ تکرار می کنیم

(ہم نے جو کچھ پڑھا ہے وہ بھلا دیا ہے سوائے دوست کی باتوں کے کہ انہیں بار بار کہتے ہیں)

سرد کے نام دارا شکوہ کا صرف یہی ایک خط ملتا ہے۔ لیکن ہے بہت دلچسپ اور اس
کے فکر نیز اس کی ژرف نگاہی کا منظر۔

”رقعات عالمگیر“ میں شیخ محب اللہ کے نام دارا شکوہ کے دو خطوط ملتے
ہیں (2)۔ ان میں سے ایک طویل خط میں دارا شکوہ نے مختلف سوالات پوچھے ہیں جن کے
جوابات شیخ نے اپنے انداز میں دیئے ہیں۔ ان میں سے کچھ سوالات اور ان کے جوابات
یوں ہیں۔

سوال:- اس راہ میں کام کا آغاز کرنے والے اور کام کی انتہا تک پہنچنے والے کون

ہیں؟

جواب:- کام کے آغاز تک آپہنچنا اعتبار غیریت سے ہے اور کام کی انتہا تک پوست

رہنا اعتبار عینیت سے ہے۔

سوال:- ”حجاب اکبر“ کی حقیقت کیا ہے۔“

جواب:-

علم گر بر دل زند یارے بود
علم گر بر تن زند مارے بود

(علم اگر دل میں اتر جائے تو ایک دوست بن جاتا ہے اور اگر ظاہر تک ہی رہے تو ایک سانپ بن

جاتا ہے)

ہر وہ علم کہ وہم دوئی کو جاری رکھتا ہے اس کا حجاب ہے۔ ہر وہ علم کہ صاحب علم کے جانے بغیر نور تعینات سے تعلق رکھتا ہے۔ یقیناً حجاب اکبر ہے، کیونکہ صفات حجاب ذات ہیں۔

سوال:- کیا روحانی ترقی کی کوئی انتہا ہے؟

جواب:-

اے برادر بے نہایت درگے است
بر ہر آنچہ می روی بروئے ماییت

(اے برادر، اس درگاہ کی کوئی انتہا نہیں، تو جس راستے پر چل رہا ہے اس پر رک مت جانا)

سوال:- ظَلُّوْا مَا جُھُوْا ۝ (سورہ احزاب، 33:72) (ظالم، بڑا نادان) انسان کی مذمت

میں ہے یا مدح میں؟

جواب:- یہ انسان پر ترحم کا اظہار ہے۔

سوال:- موجود کا معدوم ہونا محال ہے پھر اشیاء کیسے مٹ جائیں گی؟

جواب:- کل شی ہالک الا وجہ کے مطابق اشیاء معدوم ہو جاتی ہیں۔ جو کچھ بھی

باقی ہے اپنی استعداد اور اپنی حقیقت مطلقہ کی وجہ سے ہے۔

سوال:- کیا تربیت روح سے معرفت تمام حاصل ہو سکتی ہے؟

جواب:- عجیب بات ہے کہ یہ سوال ایک موحد محقق کی طرف سے آرہا ہے۔ ہر

انسان اپنی ذات میں مکمل ہے۔ روح اسے حقیقی تربیت مہیا کرتی ہے۔ جب تک وہ وہم

کے بھنور میں پھنسا ہوا ہے وہ مظاہر کو غیر سمجھتا ہے اور فیض کو خدا سے منسوب کرتا ہے۔

سوال:- کیا موت کے بعد طالب اور مطلوب کا وصل ممکن ہے؟

جواب:- موت ایک ایسا پل ہے جو دوست سے دوست کو ملاتا ہے۔ انسان کا کمال اس کی موت کے بغیر ممکن نہیں۔

سوال:- درد اور عشق میں کیا فرق ہے؟

جواب:- درد عشق کی سیڑھی ہے۔

ہر چہ در کائنات جزء و کل اند

در رہ عشق طاق ہائے پل اند

(کائنات میں جو بھی جزو و کل ہیں، وہ راہ عشق کے پل کی محرابیں ہیں)

شاہ دلربا کے نام چھ خطوط ہیں (3) ان سے دارا شکوہ کے مزاج کا پتہ چلتا ہے۔

چنانچہ ان میں سے ایک خط میں یوں لکھتے ہیں: الحمد للہ کہ اس معزز و معظم گروہ کی صحبت کی

برکت سے میرے دل سے اسلام مجازی رخصت ہو گیا اور کفر حقیقی سامنے آ گیا ہے اور

مولانا عبدالرحمن جامی کی اس رباعی کے معنی معلوم ہوئے۔

در دیدہ عیاں تو بودہ من غافل

در سینہ نہاں تو بودہ من غافل

از جملہ جہاں نشان تو می جستم

خود جملہ جہاں تو بودہ من غافل

(تو آنکھ میں عیاں تھا، میں غافل۔ تو سینہ میں چھپا ہوا تھا، میں غافل۔ میں ساری دنیا سے تیرا پتہ

پوچھتا تھا۔ ساری دنیا تو خود ہی تھا، میں غافل)

اب جب کہ کفر حقیقی کی قدر جان چکا ہوں، زنا پر پوش، بت پرست بلکہ خود

پرست اور دیر نشیں ہو گیا ہوں۔

مسلماناں گرا بدانتى كہ بت چىت
 بدانتى كہ دىں در بت پرستى است
 (اگر مسلماناں جانتا كہ بت كىا هے۔ وه جان لىتا كہ دىن بت پرستى مىں هے)

دروں هر بته جانىت پناں
 بزىر كفر اىمانىت پناں
 (هر بت كے اندر اىك روح پوشىده هے۔ (گويا) كفر تلى اىمان پوشىده هے)

اس خط سے داراشکوه کے ایمان کی حقیقت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔
 ملاشاہ کے نام بھی داراشکوه کے دو خطوط ہیں (4)۔ اور ملاشاہ کی طرف سے
 ان کے جوابات بھی ہیں۔

ملاشاہ داراشکوه کے نام خطوط کا مرصع القابات و خطابات کی بجائے، جن کا اس
 زمانے میں شہزادوں کے لئے عام رواج تھا، سیدھے سادے انداز میں آغاز کرتے ہیں۔
 خلوص کے اظہار کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی تلخ سرزنش بھی ان کے قلم کی نوک پر آجاتی
 ہے۔ داراشکوه اور اس کے پیر و مرشد ملاشاہ بدخشی بے تکلف فضا میں خط و کتابت کرتے
 ہیں۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ شہزادے کی روحانی زندگی پر ملاشاہ کا بے حد اثر تھا۔
 داراشکوه اپنے مرشد ملاشاہ کے نام ایک طویل خط میں لکھتا ہے کہ بعض (صوفیاء
 کرام) کا خیال یہ ہے کہ ترقی اور کمال کی کوئی انتہا نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تجلی کی بھی کوئی
 حد نہیں۔ یہ تجلی ہر لحظہ ظہور میں آتی ہے۔ پس لازم ہے کہ ترقی کی بھی کوئی انتہا نہ ہو۔
 چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اگر صوفی کی عمر ہزار سال بھی ہو جائے پھر بھی وہ روبہ ترقی رہے گا۔
 رسول اکرمؐ فرماتے ہیں:

(جس کے دونوں دن برابر ہوں وہ نقصان میں ہے)

لیکن خود ہی یہ باتیں لکھنے کے باوجود داراشکوہ یہ کہتا ہے کہ مجھ پر یہ آفتاب کی طرح روشن ہے کہ صوفی کے مرتبوں کی کوئی حد ضرور ہے کیونکہ سالک واصل اس حدیث کے اطلاق سے مبرا ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ داراشکوہ اپنی سوچ ہی کو حرف آخر سمجھتا ہے۔ حتیٰ کہ حدیث کو اپنی سوچ کے مطابق ثابت کرنے کے لئے اس کے دائرہ اثر کو خود ہی محدود کر رہا ہے۔

داراشکوہ مزید لکھتا ہے کہ جو شخص ابھی ترقی کی منزل میں ہے وہ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (سورہ بقرہ، 2:62) کے مرتبے کو نہیں پہنچا ہوتا کیونکہ خوف اور اندوہ ترقی اور تنزل کا لازمہ ہیں۔ خوف و اندوہ اس بات کا ہوتا ہے کہ شاید ترقی ہو یا نہ ہو اور جب ترقی و تنزل کی منزل باقی نہیں رہتی تو خوف و اندوہ بھی جاتا رہتا ہے۔ اب بلاشاہ کا جواب بھی سن لیجئے۔

دولت دیدار نصیب، و هو منزہ عن الترقی و التنزل (وہ ترقی اور تنزل سے پاک ہے)۔ جب تک آدمی درمیان میں ہے ترقی کی امید اور تنزل کا خوف ہے اور جب آدمی درمیان میں نہ رہے تو پھر ترقی کی امید اور تنزل کا خوف کسے ہو گا؟ ایسی صورت میں جو باقی رہتا ہے وہ حق ہے اور حق سب چیزوں سے مبرا ہے۔

”رقعات عالمگیر“ میں داراشکوہ کا ایک خط اورنگ زیب کے نام بھی ہے (5)۔ یہ خط اس نے اپنے قتل سے ایک یا دو دن پہلے اورنگ زیب عالمگیر کو لکھا اور بڑے سلیقے سے زندہ رہنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ وہ لکھتا ہے:

میرے بھائی صاحب! میرے بادشاہ!

مجھے حکومت کی کوئی خواہش نہیں۔ یہ آپ کو اور آپ کی اولاد کو مبارک ہو۔ دماغ عالی میں میرے قتل کا خیال غیر ضروری ہے۔ اگر مجھے رہنے کے لئے ایک مکان دے دیا

جائے اور خدمت کے لئے میری خاص کنیزوں میں سے ایک کنیز، تو میں اپنے گوشہ عافیت سے آپ کے لئے دعا کرتا ہوں گا۔
لیکن اورنگ زیب نے اس خط کے حاشیہ پر یہ آیت کریمہ لکھ کر اسے واپس کر دیا (6):

أَلَمْ يَكُنْ لَهُ آيَاتٌ أَنْ يَسْأَلَ اللَّهَ فَرَسًا ۖ قُلْ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (سورہ یونس، 10:91)

(ہاں، اب تو ایمان لایا حالانکہ پہلے برابر نافرمانی کرتا رہا اور تو دنیا کے مفسد انسانوں میں سے ایک

(بڑا ہی) مفسد تھا)

یہ خط برطانوی عجائب خانہ کی کتاب نمبر 18881 ایڈیشنل اور ندوہ کے ایک نسخہ

رقعات عالمگیری 37/7325 میں ہے۔

ہم نے داراشکوہ کے بہت سے خطوط اس باب کے آخر میں دے دئے ہیں۔

حوالے

- 1- دارا شکوہ، سر اکبر، مرتبہ ڈاکٹر تارا چند و سید محمد رضا جلالی نائینی، طبع تہران، 1957ء۔
- 2- سید نجیب اشرف ندوی (مرتب) 'رقعات عالمگیر، مطبع معارف، اعظم گڑھ۔ انڈیا۔ جلد اول صفحہ 325۔
- 3- رقصات عالمگیر، صفحہ 319۔
- 4- دارا شکوہ، سیکتہ الاولیاء، مرتبہ سید محمد رضا جلالی نائینی و ڈاکٹر تارا چند، طبع تہران۔
- 5- رقصات عالمگیر، صفحہ 330۔
- 6- رقصات عالمگیر، صفحہ 226۔

حواشی

☆ سعد اللہ خاں کی طرف سے داراشکوہ کے نام اس خط میں اسے اطلاع دی گئی ہے کہ صوبہ اڑیسہ کو اپنی جاگیر میں لینے کے لئے اس کی التماس بادشاہ نے منظور کر لی ہے۔

کمترین بندہ ہای درگاہ والا سعد اللہ خان، عرض صاحبزادہ عالم و عالیان میرساند کہ بورود نشان گرامی شان، مباحثات اندوخت۔ عنایت نامہ را بنظر والاد آورده۔ مقدمہ ای کہ عرض آن مامور بود، باتین پسندیدہ و طرز گزیدہ، عرض اشرف اعلیٰ رسانید۔ اعلیٰ حضرت، خلافت پناہ، ظل اللہ دریای کرم اند۔ عطایای این ذات اقدس را نہایتی نبودہ و الطاف این شخصی مقدس را، غایتی نباشد کہ از آنچه تصور فرمودہ اند، زیادہ عطایند، در ہر مرتبہ شکر لازم است۔ نظر بنخواستی کہ آل قدسی نژاد قدوسی نہاد، در باب صوبہ اودیسہ داشتند، آن را از روی عنایت کرم نمودہ اند، بر آن شاکر باید بود۔ زیادہ چہ عرض نماید۔

(ڈاکٹر ناظر حسن زیدی (مرتب)، مکتوبات سعد اللہ خاں، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانش گاہ پنجاب، لاہور، صفحہ 84)

☆ خط داراشکوہ کے نام ملاشاہ کے ایک خط کا اردو ترجمہ:

دولت دیدار نصیب۔ دوستان مخصوص، علی الخصوص تمہارے جیسے دوست کی جمعیت ذوق کی خبر سے میری جمعیت خاطر اور ذوق میں صد گونہ اضافہ ہوا۔ الحمد للہ والشکر للہ کہ اس متکبر اور مغرور فقیر کے نزدیک زمین کا بنانا اور آسمان کو تراشنا نہایت آسان ہے لیکن زمین و آسمان کے مالک کی معرفت میں دل کو زندہ کرنا غایت درجے مشکل ہے۔ اگر زمین اور آسمان کے اس احاطے میں حقیقت کا سرو سامان نہ ہو تو گھر کی بنیاد رکھنا عبث ہے۔

اور ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ جو طریقہ ہم نے تمہیں بتایا تھا اسے پیش نظر رکھو تاکہ ذوق کی زیادتی کا سبب بنے۔

انشاء اللہ المذوق (اگر اللہ چاہے ذوق والی چیز کو)

تمام دوستان حاضر اور حاضرین مجلس کو جو قطب دائرے کے گردینات النعش کی طرح جمع ہیں، سب اصحاب کی طرف سے دعا پہنچے۔

(ترجمہ سیکتہ الاولیاء از مقبول بیگ بدخشان، صفحہ 219)

☆ سرمد کاشانی

سب سے قدیم کتاب جس میں سرمد کے حالات زندگی ملتے ہیں محسن فانی کی ”دبستان مذاہب“ ہے (محسن فانی، دبستان مذاہب، نول کشور 1885ء)۔ اس کی تصنیف کا سال تو معلوم نہیں لیکن کتاب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا مصنف 1057ھ میں سرمد سے مل چکا تھا۔ اس کے بعد عہد عالمگیر کے دو تذکرہ نگاروں مرزا محمد طاہر نصر آبادی اور شیر محمد خان لودھی نے اپنے تذکروں ”تذکرہ نصر آبادی“ (مرزا محمد طاہر، تذکرہ نصر آبادی، تہران 1982ء بہ تصحیح وحید دست گردی) اور ”مرآة النیال“ (شیر محمد خاں لودھی، مرآة النیال، بمبئی 1831ء) میں سرمد کے قتل کا حال لکھا ہے یہ تذکرے بالترتیب 1083ھ اور 1102ھ میں لکھے گئے۔ 1160ھ میں علی قلی والاداغستانی نے ”ریاض الشعرا“ میں سرمد کی سرگزشت لکھی (والاداغستانی، ریاض الشعرا، قلمی، کتب خانہ آصفیہ، دکن)۔ ان سب کے علاوہ بانگی پور پٹنہ کے مشہور کتاب خانے کی ایک قلمی کتاب ”مجمع الافکار“ میں سرمد کا ذکر ہے۔ صاحب مجمع الافکار نے اس کو شاہجہاں کے ایک امیر نواب معتمد خاں کی یادداشت سے نقل کیا ہے۔ یہ امیر لاہور میں سرمد سے ملا تھا۔ (ابوالخیر مودودی، معارف، جلد 26 شمارہ 7 جولائی 1993ء)

سرمد کا اصل نام تو معلوم نہیں لیکن ان تمام کتب سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا اسلامی نام سعید یا محمد سعید تھا، اور تخلص سرمد، مرآة النیال میں اسے ارمنی اور فرنگی

نسل کا بتایا گیا ہے۔ باقی کتب نے اسے یہودی النسل لکھا ہے۔ ابوالکلام لکھتے ہیں (ابوالکلام، سرد شہید، نظام المشائخ جلد 2، شماره 2، جنوری 1910ء) کہ یہ دونوں بیانات مناقص نہیں کیونکہ ایران میں قدیم سے ارمینیوں کی آبادی موجود ہے جو بالعموم مسیحی اور بعض یہودی ہیں۔ اس کے ارمینی ہونے کی وجہ سے یہ خیال پیدا ہوا ہو گا کہ وہ فرنگی ہے۔ سرد کاشان میں پیدا ہوا۔ اسلام قبول کیا، مسلمان ہونے کے بعد ایران کے دانش وروں سے فلسفہ کی تعلیم حاصل کی۔ وہ تجارت کے سلسلے میں بحری راہ سے ہندوستان آیا۔ جب سندھ کے شہر ٹھٹھہ پہنچا۔ تو ایک ہندو زادے اہے چند کی محبت کا اسیر ہو گیا۔ جس کے نتیجہ میں سرد کی متاع دین و دانش لٹ گئی، اس نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور لباس عربی اختیار کیا۔

متاع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزہ خوں ریز ہے ساقی

اس واقعہ کے بعد سرد پورا کلمہ نہیں بلکہ صرف لا ا لہ (کوئی معبود نہیں) پڑھتا تھا۔ اس کے ہوش و حواس قائم تھے۔ بہت اچھا شاعر بھی تھا۔ علم و فضل میں بھی اس کا اپنا مقام تھا لیکن لباس زیب تن کرنے اور پورا کلمہ پڑھنے سے انکاری تھا۔ بتلائے عشق ہونے کے بعد جب وہ قریہ قریہ پھرتا ہوا دہلی پہنچا اس کی ملاقات دارا شکوہ سے ہوئی، تصوف کے واسطے سے ان کے تعلقات استوار ہوئے، دارا شکوہ نے اسے اپنا مرشد تسلیم کیا اور سرد نے اسے بادشاہت کی نوید دی۔ شاہجہاں نے جب یہ سنا کہ سرد نامی ایک شخص جو صاحب کشف و کرامات ہے بالکل برہنہ رہتا ہے تو حقیقت حال جاننے کے لئے اپنے ایک امیر عنایت خاں کو اس کے پاس بھیجا۔ امیر نے واپس آکر اپنا تجزیہ ایک شعر کی صورت میں پیش خدمت کیا۔

بر سرمد برہنہ کرامات تہمت است
کشفے کہ ظاہر است از و کشف عورت است

جب اورنگ زیب تخت نشیں ہوا تو ملا شیخ عبد القوی کو جو اس کا بیچ ہزاری منصب دار اور اپنے عہد کا قاضی القضاة تھا، سرمد کے پاس بھیجا۔ ملا قوی کے پوچھنے پر کہ اپنے علم و فضل کے باوجود تم نے برہنگی کیوں اختیار کر رکھی ہے اس نے یہ جواب دیا کہ شیطان قوی ہے۔ اس کے بعد ملا قوی نے اورنگ زیب عالمگیر کو یہ مشورہ دیا کہ سرمد کو برہنگی کے جرم میں قتل کر دینا چاہئے۔ لیکن عالم گیر نے کہا کہ صرف برہنہ رہنے پر قتل کی سزا نہیں ہو سکتی۔ حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے اسے دربار میں طلب کیا جائے اور علمائے عصر اس سے گفتگو کریں۔ چنانچہ شاہی فرمان کے مطابق علماء کا ایک اجلاس بلایا گیا بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ عالمگیر بھی اس اجتماع میں شریک تھا جب سرمد سے عریانی کا سبب پوچھا گیا، تو اس نے جواب میں یہ رباعی پڑھی۔

آں کس کہ ترا تاج جہاں بانی داد
مارا ہمہ اسباب پریشانی داد
پوشاند لباس ہر کرا کہ عسے دید
بے عیساں را لباس عریانی داد

جب اس سے یہ سوال ہوا کہ تم صرف لا الہ کہتے ہو، پورا کلمہ کیوں نہیں پڑھتے تو اس نے کہا کہ میں تو ابھی نفی کے درجے (لا الہ) میں ہوں۔ یہاں سے کامیاب گزرا تو اثبات کی منزل (الا اللہ) پر آؤں گا۔ اس پر مجلس نے اسے کہا کہ وہ لباس پہنے اور کلمہ پڑھے۔ ورنہ اس کی سزا قتل ہے۔ مگر سرمد نے ان کی بات نہ مانی، جس پر اس کے قتل کا فتویٰ جاری ہوا۔ سرمد کے پرانے رفیقوں میں ایک شخص شاہ اسد اللہ بھی تھا وہ قتل کے فتوے کے بعد سرمد کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ وہ ستر پوشی کرے۔ اور کلمہ شہادت پڑھ

لے تو اسے اسی وقت آزاد کر دیا جائے گا۔ اس کا جواب سرمد نے یہ دیا۔

عمریت کہ آوازہ منصور کہن شد
من از سر نو جلوہ دہم دار و رسن را

جب سرمد کو قتل گاہ لے گئے، اور جلاد نے رواج کے مطابق اس کی آنکھوں پر پٹی باندھنی چاہی تو سرمد نے منع کیا اور سر قلم ہونے سے پہلے دیگر اشعار کے علاوہ یہ اشعار بھی پڑھے:

شورے شد و از خواب عدم چشم کشودیم
دیدیم کہ باقی ست شب فتنہ غنودیم

سر بریدہ از تہم شوخے کہ باما یار بود
قصہ کو تاہ کرد ورنہ درد سر بسیار بود

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قتل کی کیا وجہ تھی۔ کیا یہ ایک سیاسی قتل تھا؟ کیا یہ کوئی انتقامی کارروائی تھی؟ یا ایک مذہبی مسئلہ تھا؟ اس سوال کا جواب دینے کے لئے ضروری ہے کہ ہم زمانے کے حالات و واقعات کا مختصر جائزہ لیں۔ اورنگ زیب 1068ھ میں تخت نشین ہوا۔ داراشکوہ کے قتل کے بعد اس نے بڑی تیزی سے اپنی حکومت مستحکم کی۔ سرمد کا قتل 1071ھ میں ہوا جب عالم گیر کی تخت نشینی کو تین سال گزر چکے تھے اور اس کی حکومت مستحکم ہو چکی تھی۔ ان حالات میں کیا اورنگ زیب کو اپنی حکومت کے سیاسی استحکام کے لئے سرمد کے قتل کی ضرورت تھی؟ کیا سرمد برہنہ اتنا بااثر ہو چکا تھا کہ وہ حکومت کا تختہ الٹ دیتا؟ اگر سرمد کا اتنا رسوخ تھا بھی تو وہ یہ جدوجہد کس کے لئے کرتا؟ داراشکوہ کی زندگی میں تو سرمد کی سرگرمیوں کے بارے میں اورنگ زیب فکر مند ہو سکتا

تھا۔ لیکن دارا کے قتل کے بعد سرمد کی طرف سے حکومت کو کسی قسم کا خطرہ نہیں رہا تھا۔ اور کوئی سیاسی وجہ اس کے قتل کی نہ تھی۔ کسی کے محض کہہ دینے سے یہ قتل ایک سیاسی قتل نہیں ٹھہر سکتا۔

تو کیا پھر یہ ایک انتقامی قتل تھا؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ سرمد نے شیطان قوی است کہہ کر ملا قوی پر پھبتی کسی تھی لیکن یہ بات کتنی ہی سنگین کیوں نہ ہو اس کی سزا قتل نہیں۔ ریاض الشعرا میں لکھا ہے کہ ملا قوی کے حسد و کینہ کا بڑا سبب سرمد کی مقبولیت اور اس کا علم و فضل تھا۔ اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ ملا قوی نے سرمد کے قتل کا مطالبہ کیا تھا تو پھر ہمیں یہ ماننے میں بھی تامل نہیں ہونا چاہئے کہ اورنگ زیب نے اسے یہ کہہ کر رد کر دیا تھا کہ عریانی وجہ قتل نہیں ہو سکتی۔ تذکروں میں یہ بھی لکھا ہے کہ سرمد نے اورنگ زیب کو بھی ناراض کیا تھا۔ کیونکہ اس نے یہ پیش گوئی کی تھی کہ ہندوستان کی حکومت دارا شکوہ کو ملے گی۔ جب اورنگ زیب سریر آرائے سلطنت ہوا تو اس نے سرمد سے کہا کہ تم نے دارا شکوہ کو حکمرانی کی جو خوش خبری دی تھی وہ غلط ثابت ہوئی۔ اس پر سرمد نے کہا کہ میری پیش گوئی درست تھی اسے ابدی سلطنت مل گئی ہے۔ کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس جواب پر اورنگ زیب نے اپنے دل میں گرہ باندھ لی لیکن تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اورنگ زیب نے دارا شکوہ کے حامیوں کو نوازا۔ جسوقت سنگھ کی خطاؤں کو معاف کر دیا۔ قوی کے مشورے کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ عریانی کی سزا قتل نہیں۔ اس لئے یہ قتل کوئی انتقامی کارروائی بھی نہ تھی۔

سرمد ایک یہودی تھا۔ وہ مسلمان ہوا وہ صاحب علم و فضل تھا لیکن ایک برہمن زادے سے محبت کے بعد بقائمی ہوش و حواس برہنہ رہتا تھا۔ وہ صرف لالہ کا ورد کرتا تھا۔ پورا کلمہ پڑھنے سے انکاری تھا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایک شخص جو اسلام لانے کے بعد ”کوئی معبود نہیں“ کا ورد کرتا ہے اور توبہ سے انکاری ہے تو اگر علماء کا ایک اجتماع اسے واجب القتل قرار دیتا ہے تو اس میں سیاست یا انتقامی کارروائی کہاں سے آگئی۔ ان علماء کے مذہبی نقطہ نظر سے وہ ایک مرتد تھا اور اس کی سزا قتل تھی۔ ہم نہیں سمجھتے کہ یہ

ایک سیاسی قتل تھا کیونکہ سرمد سے اورنگ زیب کی حکومت کو کوئی خطرہ نہ تھا۔ یہ انتقامی کارروائی بھی نہ تھی کیونکہ اگر ملا قوی کوئی انتقامی کارروائی کرنا بھی چاہتا تھا تو عالمگیر نے اس کا راستہ روک دیا تھا۔ درحقیقت اس وقت کے علماء نے مذہبی بنیادوں پر اسے قابل تعزیر سمجھا اور اس کے لئے موت کی سزا تجویز کی۔ چنانچہ 1071ھ میں تیغ شریعت سے اس کا سر قلم کیا گیا۔ سرمد جامع مسجد وہلی کے پہلو میں قتل کیا گیا اور وہیں دفن ہے۔

☆ شیخ محب اللہ الہ آبادی

شیخ محب اللہ الہ آبادی '996ھ میں پیدا ہوئے اور 1058ھ میں انتقال کر گئے۔ وہ ملا عبد السلام لاہوری کے شاگرد رشید اور شاہجہاں بادشاہ کے وزیر اعظم سعد اللہ خاں کے ہم جماعت تھے۔ وہ نامور صوفی حضرت بابا فرید شکر گنج کی اولاد میں سے تھے۔ ان کا سلسلہ نسب حضرت عمرؓ سے ملتا ہے۔ محب اللہ ایک عالم ہونے کے علاوہ ایک صوفی بھی تھے اور سلسلہ قادریہ سے منسلک تھے۔ انہوں نے ابن عربی کے افکار کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ انہوں نے اس کے نظریات کی اس قدر تشریح کی کہ لوگ ان کو ہندی ابن عربی کہنے لگے۔ انہوں نے المراتب الاربعہ کے نام قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی ہے۔ یہ تفسیر وحدت الوجود کے نظریے کے مطابق لکھی گئی ہے۔ اس میں متعدد مقامات پر مروجہ اسلامی عقائد سے انحراف کیا گیا ہے۔ ان کی نسبت تذکرہ علمائے ہند میں یہاں تک لکھا ہے کہ "تحقیقات و تدقیقاتش در علم تصوف بدرجہ اجتهاد رسیدہ بلکہ می رسد کہ شیخ محی الدین ابن العربی را شیخ اکبر و وے را شیخ کبیر گویند"۔

محب اللہ الہ آبادی نے کئی کتابیں لکھی ہیں جن میں انفاس الخواص، التسویہ اور المغالط العامہ زیادہ مشہور ہیں۔ یہ کتابیں صوفیانہ تاویلات، وجدانی تصورات اور باطنی تصریحات پر مشتمل ہیں۔ ان میں نظریہ وحدت بالوجود کی پر زور و کالت کی گئی ہے، اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کوئی مخلوق اللہ سے مغائر نہیں ہے۔

(ڈاکٹر زبیر احمد)

The Contribution of India to the
Arabic Literature

ترجمہ عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ از شاہد حسین رزاقی۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ،
2 کلب روڈ لاہور۔ طبع سوم 1991ء)

پاک و ہند کے کئی صوفیاء نے ابن عربی کی تصنیف ”فصوص الحکم“ کی شرحیں
لکھی ہیں۔ محب اللہ الہ آبادی نے بھی ”تجلیۃ الفصوص“ کے نام سے اس کتاب کی شرح
لکھی ہے۔

داراشکوہ کے ایک سوال کے جواب میں محب اللہ الہ آبادی کہتے ہیں: سچ تو یہ
ہے کہ حکمرانوں کی سوچ کا محور انسانوں کی فلاح و بہبود ہونی چاہئے۔ مسلمان ہوں یا کافر،
سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، اگر ایک آدمی ایسے تصورات رکھتا ہے۔ تو پھر وہ مسلم اور
کافر سب کے ساتھ ہمدردی رکھتا ہے۔ ”فتوحات“ میں بیان ہوا ہے اور قرآن مجید میں
وارد ہے کہ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔ یہ رحمت عام ہے۔ مثل رب
العالمین۔ آپ نے شیخ محب اللہ کی سوچ دیکھ لی۔ قرآن سے ان کی تسلی نہیں ہوتی۔ ابن
عربی کی ”فتوحات“ کا حوالہ بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ ایک مسلمان کے نزدیک قرآن مجید
کے مقابلے پر ”فتوحات“ کی کیا حیثیت ہے۔

رسالہ تسویہ میں وحی کی نسبت ایسے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے جو اسلامی اعتقاد
کے خلاف ہیں۔ عہد عالمگیری میں جب مصنف کی وفات ہو چکی تھی اس پر ایک بڑا ہنگامہ
برپا ہوا۔ علماء کرام نے بادشاہ سے استدعا کی کہ اس رسالے کی تمام نقلیں جلادی جائیں
اور جو لوگ اس کے قائل ہوں ان پر حد شرعی نافذ کی جائے، چنانچہ رسالے کی جو نقلیں
دستیاب ہوئیں انہیں ضائع کر دیا گیا، البتہ دوسرا حکم آخر کار منسوخ ہوا۔

☆ ملا شاہ

داراشکوہ کے پیر ملا شاہ کے کچھ حالات دوسرے باب میں دئے جا چکے ہیں۔ مزید

حالات یہاں درج ہیں۔

شیخ محمد اکرم ”رود کوثر“ (ناشر: ادارہ ثقافت اسلامیہ، 2 کلب روڈ لاہور۔ طبع ہفتم 1979ء) میں تحریر کرتے ہیں کہ ملاشاہ نے (جو زیادہ تر کشمیر میں رہتے تھے) ایک شعر لکھا (نقل کفر، کفر نہ باشد):

پنجہ درپنجہ خدا دارم
من چہ پروائے مصطفیٰ دارم

اس پر کشمیر کے علماء نے انہیں کافر قرار دے کر اس کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ دیا اور شاہجہاں سے استدعا کی کہ وہ ان کے خلاف حد شرعی جاری کرنے کا حکم دے۔ شاہجہاں نے علماء سے اتفاق کیا۔ اس سلسلے میں کشمیر کے گورنر ظفر خاں کے نام فرمان لکھا جا چکا تھا کہ داراشکوہ نے سفارش کی کہ اس معاملے میں جلدی کرنے کی بجائے میاں میر صاحب سے بھی استفسار کر لیا جائے۔ بادشاہ کے جواب میں میاں میر نے جو ملاشاہ کے پیر بھی تھے، لکھا کہ احوال کے تابع، ملاشاہ ایسی باتیں کہہ جاتا ہے جن سے پرہیز واجب ہے لیکن اسے ان باتوں کی بنا پر قتل کرنا نامناسب ہوگا۔ شاہجہاں نے یہ مشورہ قبول کر لیا اور ملاشاہ کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھایا۔

کچھ مدت کے بعد جب 1050ھ میں شاہجہاں کشمیر آیا تو اس نے ملاشاہ کو بلا بھیجا اور اس سے صوفیانہ مسائل پر گفتگو کی۔ اسی سال داراشکوہ اور اس کی بڑی بہن جہاں آرا نے ملاشاہ سے بیعت کی۔ ملاشاہ داراشکوہ کے ذوق و شوق سے بہت خوش تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ عزیز سلسلہ قادر یہ کو فروغ دے گا۔

پھر حالات نے پلٹا دکھایا۔ داراشکوہ کی شکست کے بعد 1658ء میں اورنگ زیب تخت شاہی پر متمکن ہوا۔ اب علماء نے پھر ملاشاہ کے خلاف آواز اٹھائی۔ چنانچہ دارالسلطنت سے ملاشاہ کی طلبی کا پروانہ جاری ہوا۔ وہ ان دنوں بیمار تھے، اس لئے کشمیر کے گورنر نے عالمگیر بادشاہ کو اطلاع دی کہ شیخ سفر کے ناقابل ہے۔ بحالی صحت پر حاضر

ہوگا۔ اس طرح کچھ وقت گزر گیا۔ اسی دوران ملاشاہ کے حسب ذیل اشعار جو اس نے اورنگ زیب کے تخت نشینی پر لکھے تھے، بادشاہ کو پہنچے:

صحن دل من چوں گل خورشید شگفت
 کلام حق و غبار باطل رفت
 تاریخ جلوس شاہ اورنگ مرا
 ظل الحق گفت، الحق اس راجع گفت

اس کے بعد اورنگ زیب نے ملاشاہ کو دہلی بلانے کا اپنا حکم منسوخ کر دیا اور فقط یہی لکھا کہ ملاشاہ بجائے کشمیر کے لاہور میں قیام کریں۔ چنانچہ 1660ء کے موسم سرما سے شیخ نے لاہور میں رہائش اختیار کر لی۔ کچھ عمر کے زیادہ ہونے اور کچھ نئے حالات کی بنا پر انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کی۔ 10 اکتوبر 1661ء کو وہ لاہور میں انتقال کر گئے۔

☆ مکاتیب شاہ بلند اقبال شہزادہ داراشکوہ

(الف) بنام شاہ دلربا

خط نمبر 1

یا اللہ

یا اللہ

اخلاص گونا گونا گون و عشق فراوان و سجدات شکر و تسلیمات بندگی بدرگاہ آل
ذات مقدس معلیٰ از جانب این بے جانب برسد و امید کہ قبول افتد 'اس بندہ شرمندہ
خود را کہ عنایت نامہ و شعر سر بلند سرا فراز بودند رسید و کمال بہجت و سر بلندی بخشید 'اس
ذره چہ لائق آل کہ آل شاہ محققان و عین الرحمن اس را بستانید و در بارہ اس فقیر بفرمانید

چوں تو گفتی بندہ من
از عرش بگذرد خندہ من
اے در صفت ذات تو حیراں کہ و مہ
و ز جملہ جہاں خدمت در گاہ تو بہ

اے شاہ فقیراں 'اس فقیر را ہمیشہ اشتیاق ملازمت آل حضرت در خاطر می باشد '
تا کہ ام وقت اس وصل رو بدہد و اس تمنا از بدر شود:

ہر کجا ایم، دل مقید تست
خواہ در آگرہ ایم خواہ در لاہور

امید کہ این کمترین سگان در گاہ خود را فراموش کنند

من کیستم اندر چه شمارم چه کم
تا مہرہی سگانت باشد ہوسم
در قافلہ کہ اوست دانم نرم
این بسکہ رسد ز دور بانگ جرم

خط نمبر 2

یا اللہ، یا اللہ یا حاضر یا ناظر، از فانی، مطلق و نیست معدوم بہستی موجود شاہ اولیاء
بندگی و سلام بسیار بسیار برسد، امید کہ از ہوا داران خود این ذرہ بے مقدار را دانند و از
روشنی نور خود این ذرہ را یاد آورده و فور تازہ و خوشی بے انداز گاہ گاہ می بخشیدہ باشد،
دیکہ نیست در یاد حضرت تست و جان کہ نیست در طلب دیدار و وصلت است، العفو العفو،
این نیست را چہ قدرت کہ طلب وصل از اصل نماید

من کیستم اندر چه شمارم چه کم

کرم و عشق ذات مبارک حضرت میان است کہ ذرہ را بہوای آورد و از عشق می
درخشاند، ہر کجا شمعے است پروانہ ایست و ہر جام عشوقے است با او دیوانہ ایست، اشتیاق
ملازمت و پابوس از حد و نہایت تحقیق زیادہ از ہر چہ بنویسد و بزبان آورد و ہست
و اگر میری بود سر را قدم ساختہ خود را بگان آن آستان در شاہاں می رساند، کیست کہ او
دیدار خدا را نخواہد و کیست کہ آن وصل را نطلبد، اما معشوق تا کرا خواہد و میلش بکہ باشد،
بسیار معشوق صفتی دے نیازی از عاشق خود فرمودند، یا کریم یا رحیم بیک تجلی و نظارہ
از حضرت شاپچی رفت کہ این جانب مردہ زندہ می شد و دلے تازگی می یافت، دیگر ہر چہ
رضائے حضرت تست، عاشق راضی است، یا رضا، یا رضا، دریں ایام این دو بیت گفتہ شدہ

نادیدہ رخ تو در جفائیم
 لطفے بنما کہ بے نوائیم
 بیگانہ چرا شدی تو از ما
 ما و تو قدیم آشنائیم

خط نمبر 3

بنام آنکہ بر ما مہربان است
 بنام آنکہ او خود عین جان است
 بنام آنکہ دل را دلبری کرد
 بدلہا خود بخود پیغمبری کرد
 بنام آنکہ او نامے ندارد
 بہر نامے کہ خوانی سر بر آرد
 نظر کردن برویش نیم ساعت
 ہی ارزد ہزاراں سالہ طاعت

نیاز و سلام و دعائے بسیار از حد بے شمار بخد مت عارف ربانی، محبوب سبحانی، مظهر
 رحمانی، حضرت میاں صاحب برسد، آل ذات مقدس معلی راہمہ جاوہمہ وقت حاضر و
 ناظری داند، وی بیند، عنایت نامہ عالی چوں آیہ رحمت رسید و مشتاق تر ساخت، تعریف
 مرید تمام اخلاص سید صلابت خاں نوشتہ بودند، سعادت دارین او کہ مقبول اللہ تعالیٰ گشتہ و
 گناہ برادر جودی از تہ دل بخشیدہ شد، و صلابت خاں گفتہ شد کہ جائے جودی و زمیندارئی
 او بہ برادر مقرر باشد گناہ یک بے گناہ چہ باشد کہ بخشیدہ نشود کہ بخشانیدہ گناہاں تلقین آل

زبدۂ عارفان رامی داند، ملک و صوبہ ہمہ ایشان است، این نیست، جز کو تو الی بیش نیست،
 ہرچہ خواہند بکنند و ہرچہ خواہند بفرمانید و ہرچہ بہر کہ خواہند بدہند، ہمہ از ثماست، امید
 و ارست کہ ہمہ وقت ارشاد و نصیحت بایں مرید نادان میشدہ باشد و باعث سعادت کونین می
 داند:

من نیم باللہ جانان من نیم
 عشق تو عاشق تو معشوق تو

رسالہ نفسیہ رسید و در خلوت مطالعہ کرد، بسیار مفید است

خط نمبر 4

حوالہ لکاتبہ:

بنام آنکہ نامش عین ذاتت
 وجود او منزہ از جہانت
 ہمہ وجہ و ہمہ سمع و ہمہ عین
 ہمہ تنزیہ و پاکی و حیانت

عنایت نامہ نامی گرامی کہ بعد از عفو گناہ این فقیر حقیر سراپا تقصیر معصوب ابو نصر
 عنایت شدہ بود، در بہترین اوقات رسید، نہایت خوشحالی و دلجوئی رودادہ:

نامہ عفو ماست این نامہ
 خاطر ما چرا نہ خوش گردد

در تعریف نامہ چہ تو اند نوشت کہ ذات صاحب نامہ منزہ است از وصف و
تعریف، اگرچہ تعریف کنندہ ہم نیست، عیازا باللہ لفظ غیر او نیست، عارف و معروف، شاہد
و مشہود، محب و محبوب، طالب و مطلوب جزیک ذات نیست، ہر کہ جزیک ذات است
معدوم محض است:

موجود بجز یکے نباشد ہرگز
باللہ کہ دریں نگے نباشد ہرگز

و این مقرر است کہ معدوم ہرگز موجود نگرود و موجود ہرگز معدوم نگرود:

غیرتش غیر در جہاں گذاشت
لاجرم عین جملہ اشیا شد

در چشم بینا تھا و ثم تھا کہ در ہر جزدے کل ظاہر و ہویدا است، و در ہر ذرہ آفتاب
جہانتاب پیدا، و در ہر قطرہ بحر حقیقت جلوہ گر، و در ہر حرفے وجود سیاہی اظہر ہست،
نہا-تس، چوں یک اسم شریف او ہو الباطن است، از چشم بعضے پنہاں شد، چوں یک اسم
مقدس او ہو الظاہر در چشم بعضے ظاہر گشت:

گاہ پردہ بروے در گیرد
گاہ بے پردہ روئے بنماید

الحمد للہ الحمد للہ کہ از برکت صحبت این طائفہ شریفہ مکرمہ معظمہ از دل این فقیر
اسلام مجازی برخاست و کفر حقیقی روئے نمود و معنی این رباعی عارف نامی مولانا
عبدالرحمن جامی ظاہر گشت:

در دیدہ عیاں تو بودہ من غافل
 در سینہ نہاں تو بودہ من غافل
 از جملہ جہاں نشان تو می جستم
 خود جملہ جہاں تو بودہ من غافل

انکوں قدر کفر حقیقی دانستم ز نار پوش و بت پرست بلکہ خود پرست و دیر نشین هشتم:

مسلمان گر بدانستی کہ بت چیت
 بدانستی کہ دیں در بت پرستی است
 اگر ز اسلام مجازی گشت بزار
 کرا کفر حقیقی شد پدیدار
 درون ہر بتے جانیت پنہاں
 بزیر کفر ایمانیت پنہاں
 ہترسا زادہ دادم دل بیک بار
 مجرد هشتم از اقرار و انکار

خط نمبر 5

ہو اللہ احد، بنام آنکہ در وحدت و یگانگی بے نظیر و بے شبیہ و بے بدل است، ہیچ
 کثرتے وحدت آل ذات مقدس معلی را کہ ہزاراں جان عاشقان و عارفان فدائے او باد
 نتواند حجاب و پردہ گشت، ظاہر و ہویدا است، باوجود ایں ہمہ کثرت آل وحدت چون عدد
 واحد در اعداد پاکی و ثابادان دیدہ را کہ بینا شدہ بہ بینائی او و آل گوش کہ شنوا گشتہ بہ شنوائی
 او و آل دل کہ از معرفت او، فانی بہستی باقی گشت:

دل صوفی صفائی باشد و بس
 ہمہ را پیشوائی باشد و بس
 دل صوفی نہ زاب و گل باشد
 دل صوفی خدای باشد و بس

عاجزان گم کردہ دل را چہ مجال کہ از این قسم گفتگو در میاں آرند (و) دریں باب
 حرف مذکور ننمائید، نہا-تش چوں فکر ذات مقدس آں صاحبان دل فرو میرود، باثر آں توجہ
 دل بیدلاں راقوتے بہم می رسد و بہ برکت ایشاں بے اختیار ازین ہماں قسم حرف سر میزند،
 چہ لازمہ دل حضرت انساں است کہ در ہر فکرے و ذکرے کہ فرو میرود دل بے اختیار
 در خواب باوجود غفلت دل ہماں فکر و ذکر می باشد، و اگر ہڈیاں بگوید ہم از ہماں قسم حرف از
 زبانش بر می آید، لہذا چوں ہمیشہ در دل این ہیچ اندیشہ اہل دل نمیگذرد، دل این بیدل
 ہماں برکت بطریق ہڈیاں این چند کلمہ گفتگو نمودہ، العفو، العفو۔

این قطرہ را چہ مجال کہ از دریا بگوید اماں چوں قطرہ را امید دریا شدن نیست بے
 اختیار است کہ خود را بدریا بکشد و از دریا گفتگو نماید تا باشد کہ صفت بے نہایتی دریا را در
 یابد، چہ قطرہ در اصل دریا بود، والا آں ہم دریا ہست، اما از نادانی و دوری خود قطرہ ماندہ و
 از بے نہایتی بہ نہایت رسیدہ، اما ہماں ساعت کہ دم از دریا زند بے شک دریا شود کہ
 استعداد دریا شدن بر کمال دارد، بہر حال چوں پیش اہل نظر قطرہ را دریا شدن در کمال
 آسانی است، امیدوار است کہ بہ برکت ایشاں اگر نقصانے در دریا شدن این قطرہ ماندہ
 باشد بر طرف گردد و دریا بید دریا شود۔

چوں اشتیاق و شوق ملازمت آں فرید عصر بسیار و از حد بیرون است اگر قدم
 مبارک رنجہ فرمودہ یک گام، شہر مانہند از خود خلاص می یابیم و ہستی موہومسی ما مبدل
 بہستی اصلی ایشاں میگردد و دل بارز وے خودی رسد و دیگر بہر روش رضا باشد ما راضی ایم
 کہ بے مطلبان را مطلب نمی باشد، والسلام۔

خط نمبر 6

اللہ

اللہ

بعد از سراپا نیاز مندی و اشتیاق می رساند که عنایت نامه گرامی مانند وحی آسمانی
پر تو نزول انداخت:

آن را که وصل دوست بود آرزو یقین
از نامه و پیام تسلی کجا شود

مشغولی ظاہر و باطن که مامور بود انشاء اللہ تعالیٰ تفسیر نخواهد کرد، چون ہم کنند
بہتر و خوشتر ازیں چه کار خواهد بود، اخلاص این ہیج نسبت بخاک آن زمین کہ محل و مکان
آن بے مکان است از حد و نہایت گزشتہ چراہم گذرد:

دیکہ عاشق صابر بود مگر سنگ است
ز عشق تا صبوری ہزار فرسنگ است

میانجیو سلامت اللیفہ نفیسہ کہ از زبان وحی ترجمان شاد در باب از ترقی ماندن
صوفی کامل شنیدہ بود، از زبان خود کردہ محضرت پیرو سنگیر خود نوشتہ بود، بسیار خوش کردہ اند و
در جواب بدستخط مبارک بایں مرید نوشتہ فرستادہ بودند، در ہمیں دو سہ روز رسیدہ بود،
بجنسہ فرستادہ کہ مطالعہ فرمودہ، این شجرہ فقیر را باز در عنایت نامہ خود پیچیدہ بفرستد و
در باب فانی شدن وجود بعد از بقا ہم انچہ میانجیو بایں نیست فہمائند اند، خوب حالی و خاطر
نشین این فقیر شدہ بہ تحقیق چنانکہ فرمودہ اند۔

(ب) بنام شیخ محب اللہ الہ آبادی

خط نمبر 1

قل اللهم ثم اللہ ہم، جامع علوم ظاہری و باطنی، حاوی مراتب صوری و معنوی
 میاں شیخ محب اللہ را از محب فقراء دعا و سلام برسد، از گرفتن صوبہ الہ آباد بیشتر خوشحال از
 وجود شریف ایشان است، ہر کارے و مہمے کہ در اں رفاہیت مومناں باشد باقی بیک امری
 نموده باشند، و اخلاص ایں جانب را فقراء بدرجہ اعلیٰ شناسند و امید کہ ایں چند سخن را
 جواب واضح بنویسند کہ حقیقت آنہا مفہوم شود۔

1- چیت اندریں راہ ہدایت کار و نہایت کار، (2) چیت کہ معنی قول سید
 الطائفہ و جواب "مالنہایہ" کہ فرمودہ "الرجوع الی ہدایہ" (3) و کدام علم است کہ آنرا
 "حجاب اکبر" گفتہ اند (4) و انبیائے سابق را معرفت توحید بود یا نبود، (5) و ترقی را نہایت
 بود، یا نبود، (6) "ظلو ما جہولاً" در مذمت انسان یا در مدح، (7) و ہر گاہ معدوم شدن موجود
 محال باشد اشیا را چوں معدوم تو اں گفت، (8) و تصور را اعتبار بود یا نبود، (9) و شغلے باشد کہ
 بے اختیار شائل صادر شود (10) و نماز بے خطرہ کے میسر شود، (11) انسان را استعداد
 شناخت محض برابر بود یا نبود، (12) از تربیت ارواح معرفت حاصل گردد یا نہ (13) و بے
 نہایت در دل چگونہ گنجد (14) و طالب فانی گردد یا مطلوب، (15) طالب را بعد از موت
 وصل مطلوب ممکن باشد یا نہ، (16) و تفرقہ در درود و عشق چیت؟

(ب) جواب سوالات مذکور از جانب شیخ مذکور

سوال اول- چیت اندریں راہ ہدایت کار و نہایت کار؟

جواب- ہدایت کار رستن از اعتبار غیریت است و نہایت کار پوستن باعتبار عینیت۔

سوال دوم- چیت معنی آنکہ سید الطائفہ در جواب مالنہایہ فرمود الرجوع الی

البدایہ؟

جواب۔ در آغاز برداشتن نظر از عین بتوہم غیر و در انجام پیوستن بخود بدریافت عین،
 وجہ دیگر سلوک بدایت ناسوت است کہ مقام عرش الرحمن است و غایت سلوک از عروج
 بنزول است کہ بمرتبہ احد (آئینہ) عرفان است ہمیں ناسوت است چہ عالم در رنگ
 حرکت دوریت، ہاں نقطہ کہ نہایت دائرہ است بدایت اوست۔

سوال سیوم۔ کدام است کہ گفته اند "حجاب اکبر"؟

جواب۔

علم گر بر دل زند یارے بود
 علم گر بر تن زند بارے بود

ہر علم کہ منفی توہم دوئی است حجاب اوست، بنظر دیگر ہر علم کہ تعلق بر نور
 تعینات بے ملاحظہ صاحبش یقین کہ حجاب اکبر است و بیافت این شکستہ ہر علم کہ باشد حجاب
 است، بجمت آنکہ صفات حجاب ذاتت ازین سبب کہ عارفان در مقام ارشاد بطالبان
 در عبادت علم را مقید بقیدے نکر فتنہ اند۔

سوال چہارم۔ انبیائے سابق را معرفت توحید بود یا نبود؟

جواب۔ پوشیدہ نماند کہ کمال معرفت کہ مذاق صوفیان است از لوازم مرتبہ نبوت
 باشد، معلوم نیست، و جمیع انبیاء باین مرتبہ از روئے فضل بہرہ ور باشند، ہمہ لازم نہ، اما
 جمیع انبیائے سابق ازین مرتبہ بہرہ تمام نہ داشتہ باشند، و این ہم نہ، بلکہ یقین دانستہ شدہ کہ
 نصیب عین ایشاں تجلی ذات بے جب صفات بود، غایتہ الامراتباع ایشاں بمرتبہ توحید رسیدہ
 اند، دیگر احوال انبیاء در قرآن مجید بر وجہ احسن مذکور است، از انجانباد (نی) تامل بطریق
 اعلیٰ احوال بتفاوت ظاہر میشود، لیکن چون شان انبیاء، متدعی آن است کہ اسرار باشارہ
 میفرمایند کہ احکام فکر عامہ در یابد بتصریح لائح نمی سازند، نظر بحال ذکی و غبی، دگر مذاق
 بعضی گدایان متوجہ شوند، نیک روشن میشود کہ ہیچ دورہ نبود کہ خالی از عارف کامل باشد۔

سوال پنجم۔ ترقی را نہایت بود؟

جواب۔

اے برادر بے نہایت درگے است
بر ہر آنچہ میروی بروے مالیت

در مرتبہ ذات بجمت آنچنانہ میدانی۔

سوال ششم۔ ”ظلو ما جھولا“ در مذمت انسان است یا در مدح؟

جواب۔ در مقام ترحم انسان است۔

سوال ہفتم۔ ہر گاہ معدوم شدن موجود محال باشد، اشیاء را چوں معدوم تو او گفت؟

جواب۔ بموجب ”کل شی ہالک الا وجہ“ اشیاء معدوم است، باستعداد خویش

موجود است، بوجہ کنایت از حقیقت مطلقہ است۔

اس کے بعد سوال ہشتم چاہئے تھا لیکن نہ سوال ہے نہ جواب۔

سوال نہم۔ شغلے بود کہ بے اختیار شاعری صادر شود؟

جواب۔ جان من، ہمہ ذی انفاس، شغل خویش مشغول اند، بے اختیار، اما منصب

عارف بہ ہمیں واسطہ والا تراست کہ آگہی ازین شغل بے کدوجہ تو دانستہ شاعری و ذاکر

است۔

سوال دہم۔ نماز بے خطر کے میسر شود؟

جواب۔ نماز بے خطرہ وقتے وست و ہد کہ رجا و امید قلبی و قالبے کہ صفت مرات

است از قوت جاذب عشق بذات سازج برکنده شود، و نہال ناامیدی برارض اللہ کہ دل

باشد استقرار یابد، و چشم ظاہر و باطن بتماشائے امواج وحدت آل قدر محو شود کہ علم این

معنی ہم نماند و پس از اقامت بلسان حال گویا گردد:

دریا بوجود خویش موج دارد
خس ندارد کہ این کشاکش باوست

دیگر نماز بے خطرہ میسر گردد کہ از خطرہ امواج تعینات لجنہ وحدت نجات یابد
عزیزانے کہ نماز بے خطرہ مرادی دانند، حاشا کہ نماز بے خطرہ باشد، آرے این قدر ہست
کہ حلاوت بہ تبدیلات خطرہ بہم می رسد، زیرا کہ ”انک لعلی خلق عظیم“، انچہ اشارہ می
فرمایند و بچہ دلالت مینمایند، اگر بنظر تحقیق ملاحظہ نمائی دریابی کہ نماز بے خطرہ است، از وجہ
آنکہ صلوٰۃ کاملہ معراج مومن فرمودہ اند، ہرچہ واسطہ عروج است، خطرہ ملکی است، و بیک
وجہ نماز بے خطرہ بعارف حاصل است، معرفت آنکہ جمیع خطرات را از مبدای فیاض دانستہ
و پس۔

سوال یازدہم۔ در انسان استعداد ”شناخت محض“ برابر بود یا نہ؟

جواب۔ اگر جمیع اراضی با استعداد باران رحمت مستعد روئیدن نبات باشد پس
در انسان ہم استعداد شناخت محض برابر بود، ہر گاہ در اصول مفردہ تفاوت بودہ، در فروع
مرکب بطریق اولی، چنانچہ زبان حال مولوی بدیں معنی ناطق است۔

ماہی از سرکنده باشد نے زوم

فانہم قاتل۔

سوال دوازدهم۔ از تربیت روح معرفت تمام حاصل گردد یا نہ؟

جواب۔ از موحد محقق این استفسار پس عجب است، ہر گاہ انسان جامع باشد و چون
تربیتہ حقیقی از ارواح خودی یابد آرے تا بگرداب وہم گرفتار است نمودات را غیر می یابد
و فیضان را بجا منسوب می سازد۔

سوال یزدہم۔ بے نہایت درد دل چگونه گنجد؟
 جواب۔ دل را بہرتبہ بے نہایت است، فافہم واگر این معنی مستبعد می نماید پس از
 گنجیدن بے نہایت بگذرد، خلاص۔
 سوال چہار دہم۔ طالب فانی گردد با مطلوب؟
 جواب۔ جان من! این دو اسم از رحمت طلب بہم رسیدہ پس از حصول عرفان بنفس
 این رحمت کہ برخواست زحمت الحاد پیش آمد:

اتحاد یار با یاراں خوش است

سوال پانزدہم۔ طالب را بعد از موت وصل مطلوب ممکن باشد یا نہ؟
 جواب۔ الموت جر یوصل الحیب الی الحیب، کامل ہرچہ فرمود رسیدہ فرمود، بلکہ
 کمال انساں بے موت ممکن نیست۔
 سوال شانزدہم۔ تفرقہ درد و عشق چیست؟
 جواب۔ درد نردبان عشق است:

ہر چہ در کائنات جز و کل اند
 در رہ عشق طاقمائی پل اند

تم کلامہ۔

خط نمبر 2

جامع علوم ظاہری و باطنی، حاوی مراتب صوری و معنوی، الفانی فی اللہ شیخ محب
 اللہ را از محب فقراء دعا و سلام برسد، مکتوب ایشان کہ مشتمل جواب سوالہا و اظہار شکرو

رضامندی از زمانہ خود بود رسدی، از مطالعہ آن مسرت و خوش وقتی روئے داد، ہم مشربی
ایشان معلوم خاطر گردید، کجاست کہے کہ معتقد این مشرب بود یا از اہل این مشرب بود، چہ
جائے آنکہ این مشرب را صاف دریافتہ باشد، بعضی از جواب ایشان کہ مطابق خواہش این
جانب بود، و بعضی را از ذوق و وجدان خود کہ موافق کتاب اللہ سنت رسول اللہ بود دریافت
و آنکہ در جواب ہامہ جا حوالہ بقول قدما کردہ بودند تحقیق دانند کہ نزد این فقیر وجدے کہ
موافق نیستند بقول خدا و رسول بے بہتر آنت (است) از انچہ در کتابہا نوشتہ باشند، چہ
مدتے کتب حال مشائخ مطالعہ میکرد، چون اختلاف بسیار ظاہر شد، مطالعہ کتب را بالکل
متروک ساخت و بمطالعہ دل کہ بحریت لامحدود و از اں ہمیشہ گوہر ہائے تازہ بروں می آید،
پرداخت۔

ما ہیچ کتابے دگر حوالہ مکن
کہ من حقیقت خود را کتاب می دانم

انچہ از اں بحریوں آوردہ بود میخواست کہ در سلک تحریر آوردہ نزد ایشان بفرستد
تا انصاف بدہند اماں چون لباس ظاہر و ادب باطن تقاضائے آن نمیکرد و موقوف بر خواہش و
اشارہ ایشان داشتہ اگر از انجانب اشارہ رود بتفصیل ظاہر نمودہ خواہد شد۔

(ج) بنام شہزادہ اورنگ زیب

رقعہ سلطان داراشکوہ کہ در حالت قید بہ بادشاہ عالمگیر نوشتہ شد۔

بھائی صاحب من، بادشاہ من!

خیال بادشاہی اصلا در دل نمائد، شما و فرزند ان شامبارک، و فکر کشتن من بخاطر

مبارک نایق است، اگر یک حویلی قابل سکونت و کثیر کے از کینزان مخصوص ما برائے
خدمت عنایت شود، بگوشہ عافیت دردعائے آل صاحب اشتغال نمایم۔

دسواں باب

مکالمہ داراشکوہ و بابالال

بابالال سولہویں اور سترہویں صدی عیسوی کے ہندوستانی مصلحین میں سے تھا۔ وہ کبیر کے سلسلے کا ایک ہندو یوگی تھا جس نے وحدت الوجودی صوفیوں اور بھگتی مارگ کے پیروکاروں کے عقائد کو ملا کر اپنے خیال میں ایک خالص توحیدی مذہب کی بنیاد رکھنا چاہی۔

وہ جہانگیر کے دور میں راجپوتانہ میں مالوہ کے مقام پر پیدا ہوا۔ اپنے گورو مشہور مصلح چیتن سوامی کے ساتھ پنجاب آیا اور مذہبی استغراق میں اعلیٰ مقام حاصل کرنے کے بعد آخر کار پنجاب میں سرہند کے مقام پر آباد ہو گیا، جہاں اس نے ایک مندر کے ساتھ ساتھ اپنی کئیابھی بنالی (1)۔

قدھار کی ناکام مہم سے واپسی پر داراشکوہ 22 نومبر 1653ء کو لاہور پہنچا اور وہاں تقریباً تین ہفتے مقیم رہا۔ وہیں اس کی ملاقات بابالال سے ہوئی۔ داراشکوہ لکھتا ہے کہ بابالال منڈیا مکمل عارفوں میں سے ہے اور میں نے ہندوؤں میں کسی کو بھی اس کے برابر باعظمت و باستقلال نہیں دیکھا۔ اس کا یہ عقیدہ تھا کہ ہر قوم میں عارف اور کامل درویش ہوتے ہیں جن کے طفیل خدا اس قوم کو نجات دیتا ہے۔

لاہور میں شہزادہ داراشکوہ کے قیام کے دنوں میں اس کے اور بابالال کے درمیان سات مکالمے ہوئے۔ یہ مکالمے ہندی میں لکھے گئے اور بعد میں داراشکوہ کے میر

منشی رائے چندربھان نے، جو فارسی زبان کا ایک عالم اور شاعر بھی تھا۔ ان کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ وہ اس تمام گفتگو کے دوران ایک ترجمان کا کام بھی کرتا رہا اس نے ”مکالمہ دارا شکوہ و بابالال“ کے نام سے اس گفتگو کی حرف بحرف روداد لکھی اور پھر اس نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا (2)۔

مجمع البحرین میں دارا شکوہ اس کو بابالال پیراگی کہتا ہے، اور اس کو ان مسلمان صوفیوں اور درویشوں کی صف میں جگہ دیتا ہے، جن کو وہ اسلام میں صوفی سلسلے کے بہترین نمائندے سمجھتا ہے۔ مسلمانوں کی اس فہرست میں ایک ہندو کے نام کی شمولیت یہ ظاہر کرتی ہے کہ دارا شکوہ اس کو احترام کی کس نظر سے دیکھتا تھا۔

آئیے اب ہم اس کتاب میں راہ تصوف کے ایک پر جوش راہی (دارا شکوہ) کے چند سوالات اور اس کے راہبر (بابالال) کے جوابات دیکھیں۔ ہم نے کہیں کہیں ان جوابات پر تبصرہ بھی کیا ہے۔

دارا: ”ناد“ کون ہے؟

بابا: ”ناد“ وہ ہے کہ جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا، نہ آغاز ہے نہ انجام۔

دارا: ”ناد“ اور ”وید“ میں کیا فرق ہے؟

بابا: ”ناد“ بادشاہ ہے اور ”وید“ اس کا حکم۔

دارا: ہندوستان کے عوام کے لئے بت پرستی کی کیا اہمیت ہے؟ اور کس نے

انہیں اس کا حکم دیا ہے؟

بابالال: یہ تو ارتکاز کی ایک مشق ہے۔ جسے روح کا علم ہو گا وہ بھلاہیت کی بات

کیوں کرے گا، لیکن جو باطنی شعور سے محروم ہے اسے اپنے آپ کو کسی نہ کسی روپ سے

منسلک کرنا ہی پڑتا ہے۔ یہی حقیقت ہے بت پرستی کی۔ جن کو روح کی معرفت نہیں ہے وہ

شکل و صورت کے توسط سے اس کے حصول کے لئے یقیناً کوشاں ہوں گے، لیکن جو نہی

ان کو باطنی شعور حاصل ہو جائے گا وہ اس بت پرستی کو ترک کر دیں گے۔

بابالال کے جواب سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ ہندو قوم کو آج بھی باطنی شعور

حاصل نہیں کیونکہ ان کی بت پرستی کی رسم ابھی تک جاری ہے۔

دارا: ہندوؤں کے صحیفوں میں یہ درج ہے کہ جسے کاشی میں موت آجائے اسے نجات مل جاتی ہے۔ کیا اس سے پرہیزگار اور گناہ گار ایک ہی سطح پر نہیں آجاتے؟
بابالال: کاشی علامتی طور پر وجود کی نشان دہی کرتا ہے اور جو کوئی وجود میں تباہ ہوتا ہے اسے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔

دارا: رامائن میں یہ لکھا ہے کہ جب رام چندر نے راون کو شکست دے کر لنگا فتح کیا تو دونوں اطراف سے بہت سے آدمی مارے گئے۔ رام چندر نے ان مردوں پر آب حیات چھڑکا جس سے ان کی اپنی تمام مردہ فوج زندہ ہو گئی، لیکن راون کی فوج کے مقتولوں میں سے کوئی بھی زندہ نہ ہوا۔ سب جانتے ہیں کہ آب حیات مردوں کو زندہ کر دیتا ہے۔ پھر راون کے مردہ فوجی کیوں زندہ نہ ہوئے؟

بابالال: میدان جنگ میں راون کے لشکریوں کے ذہنوں میں رام چندر کا خیال چھایا ہوا تھا، چونکہ مرتے وقت ان کے دماغوں میں رام چندر ہی تھا۔ اس لئے ان کو مکتی (نجات) حاصل ہو گئی اور جن کو مکتی حاصل ہو جائے وہ پھر اپنے جسم میں کیوں واپس آئیں؟

دارا شکوہ اور بابالال کی اس گفتگو کا یہ دلچسپ نتیجہ نکلتا ہے کہ حق و باطل کی جنگ میں ہمیشہ باطل کو نجات حاصل ہوگی کیونکہ ان کے ذہنوں میں ہر وقت اپنے مخالفین یعنی حق پرستوں کا خیال چھایا ہوگا۔

دارا: ہندو روایات کے مطابق ایک دفعہ شری کرشن گوپوں کے سامنے اپنی اصلی شکل میں آئے تھے۔ کیا انسانی آنکھ سے ان کی اصلی صورت نظر آسکتی ہے؟
بابالال: جو لوگ دنیاوی معاملات میں ملوث ہیں، انہیں یہ غیر مجسم شکل نظر نہیں آسکتی۔ یہ صرف فقیروں اور سادھوؤں کو نظر آتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے نفسانی جذبات کو دبا کر رکھا ہے۔

دارا: دماغ کی حقیقت کیا ہے۔

بابالال: دماغ ہماری ارواح کو ماں، باپ، بھائی اور عورتوں سے محبت کرنا سکھاتا

- ہے

دارا: دماغ نظر تو نہیں آتا۔ اس کی ہیئت کیا ہے؟

بابالال: یہ تیز ہوا کی طرح ہے۔

دارا: وہ کیسے؟

بابالال: تیز ہوا درختوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتی ہے لیکن کسی کو نظر نہیں آتی۔

دماغ حواس سے کام لیتا ہے لیکن نظر نہیں آتا۔ اس لئے دماغ تیز ہوا کی طرح ہے۔

دارا: خالق اور مخلوق کے درمیان کیا فرق ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ ان میں وہی

فرق ہے جو بیج اور درخت کے درمیان ہے۔

بابالال: نہیں، بلکہ خالق ایک دریا کی طرح ہے اور مخلوق دریا کی ایک موج، یا

یوں کہتے کہ خالق ایک سمندر کی طرح ہے اور مخلوق کوزہ آب، یا پھر خالق ایک کان نمک

ہے اور مخلوق دانہ نمک۔ اگرچہ ذات ایک ہی ہے لیکن مرتبے میں بہت فرق ہے۔ خالق

خالق ہے اور مخلوق مخلوق۔

یاد رہے کہ صوفیاء کرام اسی کو نظریہ وحدت الوجود کہتے ہیں! حالانکہ در

حقیقت خالق و مخلوق کا فرق درجے کا نہیں بلکہ نوعیت کا ہے۔

دارا: جیو آتما اور پرما آتما میں کیا فرق ہے؟

بابا: کوئی فرق نہیں۔

دارا: اگر کوئی فرق نہیں تو ثواب و عذاب، آرام و بے آرامی اور راحت و رنج

کس لئے؟

بابا: یہ ظرف کی تاثیر ہے جس طرح دریائے گنگا اور کوزے میں گنگا کا پانی۔

دارا: ان میں کیا فرق ہے؟

بابا: بہت فرق ہے۔ اگر کوزے والے گنگا کے پانی میں شراب کا ایک قطرہ ڈال

دیا جائے تو تمام کے لئے شراب کا حکم ہے، لیکن شراب کے لاکھوں کوزے گنگا میں

بہادیے جائیں تو وہ گنگا ہی رہے گی۔ اسی طرح پر م آتما خالص اور آزاد ہے اور جیو آتما قید وجود میں ہے۔

یہ مکالمے زیادہ تر مذہبی موضوعات پر ہیں، لیکن تصوف اور وحدت الوجودیت پر بھی گفتگو ہے۔ بعض اوقات بالکل معمولی باتوں پر تبصرہ ہے اور اکثر جوابات مبہم ہیں۔ ان مکالموں سے داراشکوہ کی سوچ کا جو اندازہ ابھر کر سامنے آتا ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہندو لٹریچر اور علم الاضنام سے بخوبی آگاہ تھا۔

چرنجی لال کے مرتب کردہ یہ مکالمے 1885ء میں دہلی سے، منشی بلاقی داس کے مرتب کردہ (اردو ترجمے کے ساتھ) 1896ء میں دہلی سے اور ملک چمن دین لاہور کی طرف سے شائع ہو چکے ہیں۔

بکرماجیت حسرت لکھتا ہے (3) کہ اس نے مذکورہ بالا تین ہندوستانی ایڈیشنوں کا پیرس والے ایڈیشن سے مقابلہ کیا تو ان میں بڑا فرق نظر آیا۔ یہ بات بہت دلچسپ ہے کہ اکثر کتابوں میں یہ کہا گیا ہے کہ بابا لال نے ہندی زبان میں داراشکوہ کے سوالات کے جوابات دیئے اور پھر چندر بھان برہمن نے ان کا فارسی میں ترجمہ کیا، لیکن دہلی اور لاہور ایڈیشن دیکھیں تو اس میں ہندی سے ترجمہ والی کوئی بات معلوم نہیں ہوتی کیونکہ بابا لال کے بعض جوابات عربی میں ہیں۔ مثلاً

گفتم کہ موجودات تکیہ گاہ فقیرِ حدیث؟

(میں نے کہا کہ فقیر کی خانقاہ میں کیا کیا موجود ہے؟)

گفت المفلس فی امان اللہ۔

(اس نے کہا کہ مفلس اللہ کی حفاظت میں ہے)

گفتم برائے فقیر چہ مناسب است؟

(میں نے کہا فقیر کے لئے کیا مناسب ہے)

گفت لا الہ الا اللہ۔

(اس نے کہا کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں)

حوالے

- D. Wilson: Religious Sects of Hindus, Journal Asiatique,-1
Paris, 1832
- Text of Mukaalma Baaba Laal wa Dara Shikoh, -2
Journal Asiatique, Paris, Tome CCIX, No. II.
- 3- بکراجیت حسرت، داراشکوہ (بزبان انگریزی)۔ صفحہ 245۔

گیارہواں باب

متفرقات

اس باب میں داراشکوہ کی غیر معروف تصنیفات و تالیفات کا مختصر ذکر ہے۔

☆ طریقہ الحقیقت

طریقہ الحقیقت داراشکوہ کا ایک غیر معروف رسالہ ہے (1)۔ یہ تو معلوم نہیں کہ یہ کب لکھا گیا، لیکن برج لال پریس نے اسے 1857ء میں گوجرانوالہ سے شائع کیا۔ اس کا نفس مضمون اس مسودے سے کافی مختلف ہے جو پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں ”رسالہ تصوف“ کے نام سے موجود ہے۔ 1341ء کو لاہور سے بھی اس کا ایک ایڈیشن شائع ہوا جو گوجرانوالہ ایڈیشن سے ملتا جلتا ہے۔

داراشکوہ کی دیگر تصانیف کے برعکس، اس رسالے کی عبارت مرصع اور پر تکلف ہے۔ اس کا لب و لہجہ نصیحت آمیز اور جذباتی ہے جو دماغ کی بجائے دل کو اپیل کرتا ہے۔ تحریر میں ایک لطافت ہے۔ اس رسالے میں جگہ جگہ پر رباعیات، ابیات اور نظمیں بکھری پڑی ہیں جس سے اس کے خطیبانہ طرز بیان کی شگفتگی میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ رسالہ 30 حصوں میں ہے اور ہر حصے کو عارف کی راہ گزر کی ایک منزل کہا گیا ہے۔

داراشکوہ کہتا ہے کہ عارفوں کے روشن ضمیر اور اہل دل کے عالی دماغوں کو معلوم ہو کہ جب ہادی برحق نے میرے خیال کے آئینے میں فکری رازوں سے پر الفاظ کی ایک

جھلک دکھائی تو میرے لئے انہیں احاطہ تحریر میں لانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اس طرح میں نے انہیں شہود کے میدان میں صف آرا کر دیا۔ میں نے اس رسالے کا نام ”طریقہ الحقیقت“ رکھا ہے۔ امید ہے کہ دور اندیش اور اہل یقین حضرات کو پسند آئے گا۔

☆ جوگ . شت

”جوگ . شت“ رشی . شت کی طرف سے اپنے شاگرد راجکمار رام چندر کے لئے ہندو تصوف کے دقیق فلسفہ کی تعلیم پر سنسکرت میں ایک گراں قدر تصنیف ہے۔ داراشکوہ کا تصوف کا شوق اسے کشاں کشاں اس کتاب کی طرف بھی لے گیا اور اس نے اس کے فارسی ترجمے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس کا مترجم، جس کا نام معلوم نہیں ہو سکا، اس کے تعارف میں لکھتا ہے کہ اس سے پہلے جن سکالرز نے اس کتاب کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے انہوں نے سنسکرت کی بعض اصطلاحات کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اس لئے وہ نفس مضمون کی لطافتوں کو پوری طرح بیان نہیں کر سکے۔ اس لئے 1066ھ / 1656ء میں داراشکوہ بن شاہجہاں نے اس کتاب کے رواں فارسی میں ترجمے کا حکم دیا کیونکہ اس کتاب کے پرانے ترجمے جو اب بھی کہیں کہیں مل جاتے ہیں، حق کے متلاشیوں کے لئے کچھ زیادہ مفید نہیں۔ اس لئے شہزادہ داراشکوہ کی خواہش ہے کہ تمام فرقوں کے اہل علم کے مشورے سے اس کا ترجمہ کیا جائے۔ شہزادہ داراشکوہ لکھتا ہے کہ اس حکم کی فوری وجہ یہ ہوئی کہ مجھے خواب میں دو بزرگ نظر آئے۔ ان میں سے ایک لمبے قد کا تھا جس کے بال سفید ہو چکے تھے۔ دوسرا چھوٹے قد کا تھا اور بغیر بالوں کے۔ پہلا شخص رشی . شت تھا اور دوسرا راجکمار رام چندر۔ میرے دل کو ان دونوں حضرات کی طرف کشش ہوئی اور میں ان کی تعظیم بجالایا۔ رشی . شت مجھ پر بہت مہربان تھے۔ انہوں نے مجھے تھکی دی اور رام چندر کو مخاطب کر کے کہا کہ میں اور داراشکوہ بھائی بھائی ہیں کیونکہ ہم دونوں حق کے متلاشی ہیں۔ ان کے کہنے پر رام چندر کمال محبت سے مجھ سے بغل گیر ہوئے۔ اس کے بعد رشی . شت نے رام چندر کو مٹھائی دی جو میں نے ان سے لے کر کھائی۔ اس خواب کے بعد

میرے دل میں کتاب کا ایک اچھا ترجمہ کرانے کی خواہش بہت شدت اختیار کر گئی۔ چنانچہ داراشکوہ کے حکم پر اس کے ایک درباری نے چند معروف مقامی پنڈتوں کی مدد سے یہ کام سرانجام دیا۔

سید ابوالخیر مودودی لکھتے ہیں (2) کہ ہمارے خیال میں اس کتاب کا ترجمہ اس لئے کیا گیا کہ اس میں راجکمار رام چندر کو راجکمار ہونے کے باوجود اوتار کے روپ میں دکھایا گیا ہے۔ اسی طرح شہزادہ داراشکوہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ شہزادہ ہونے کے باوجود وہ واصل الی الحق ہے۔

☆ بھگوت گیتا

سنسکرت کی مشہور و معروف کتاب ”بھگوت گیتا“ کا فارسی ترجمہ انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے۔ مسودہ کا نمبر 1494 ہے۔ ڈاکٹر ریو (Dr. Rieu) کی رائے کے برعکس ڈاکٹر ایتھے (Dr. Ette) کا خیال ہے کہ یہ ترجمہ ابوالفضل کا نہیں بلکہ شہزادہ داراشکوہ کا ہے۔ اس بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ مسودہ میں نہ تو مترجم کا نام ہے اور نہ ہی اس پر کوئی تاریخ درج ہے۔

☆ داراشکوہ کی بیاض

”مخزن الغرائب“ فارسی شعرا کے سوانح کی ایک گراں قدر کتاب ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ داراشکوہ نے ایک بیاض بھی مرتب کی تھی جس سے ”مخزن الغرائب“ کے مصنف، احمد علی سندیلوی، اپنا تذکرہ لکھتے ہوئے مستفید ہوئے تھے، محفوظ الحق ”مجمع البحرین“ کے تعارف میں لکھتے ہیں کہ اس وقت اس بیاض کی کوئی بھی نقل علوم شرقیہ کی کسی لائبریری میں نہیں ہے۔ اگر یہ بیاض مل جاتی تو داراشکوہ کے شاعرانہ ذوق پر اچھی خاصی روشنی ڈالتی۔

☆ داراشکوہ کی دیگر تصنیفات

پیرس کے Bibliotheque National میں ”نگارستان منیر“ کا مسودہ محفوظ ہے (بلوچٹ (Blochet) کی فہرست میں نمبر 701)۔ اس کے علاوہ داراشکوہ سے اور تصانیف بھی منسوب ہیں۔ اگر ان کا پتہ چل جائے تو اس کے احوال و آثار و افکار پر مزید روشنی پڑ سکتی ہے۔ مولوی محفوظ الحق نے ان تصانیف کی فہرست مرتب کی ہے جو داراشکوہ سے منسوب تو ہیں لیکن ابھی تک مشرق و مغرب کی کسی اہم لائبریری میں ان کا سراغ نہیں ملا۔ مثلاً داراشکوہ کی خودنوشت سوانح عمری۔

حوالے

- 1- داراشکوہ، طریقتہ الحقیقت، لاہور-1341ھ ترجمہ: مولوی احمد علی بٹالوی، ملک فضل دین، کشمیری بازار، لاہور۔
- 2- سید ابوالخیر مودودی، داراشکوہ، المعارف، جلد 27 شماره 10، اکتوبر 1993ء ادارہ ثقافت اسلامیہ، 2 کلب روڈ لاہور۔

بارھواں باب

شخصیت اور مذہب

ہم گزشتہ ابواب میں داراشکوہ کے حالات زندگی پڑھ چکے اور اس کی تصنیفات کا تنقیدی جائزہ لے چکے ہیں۔ ان سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک ذہین، نکتہ سنج اور عالم شنزادہ تھا۔ بادشاہ کالاڈلا بیٹا ہونے کی وجہ سے وہ ایک ایسا خود سر اور خوشامد پسند شخص بن گیا تھا جس کے لئے اختلاف رائے ناقابل برداشت تھا۔ مزید برآں وہ خود کو ذہنی اور علمی طور پر اتنے بلند مقام پر تصور کرتا تھا کہ عام طور پر کسی مشورے کو سننا بھی اسے گوارا نہ تھا۔

داراشکوہ کو عربی اور فارسی زبان پر عبور حاصل تھا اور مطالعہ کا بے حد شوق۔ وہ اپنے آپ کو حنفی قادری کہتا تھا یعنی امام ابوحنیفہ کا پیروکار اور قادریہ سلسلہ کا ایک فرد۔ وہ حکیم سنائی کے مقبرے پر جانے کو صرف اس لئے تیار نہیں تھا کہ ان کے اشعار سے اسے یہ شبہ رہا تھا کہ وہ سنی نہیں ہیں، لیکن ملاشاہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد اس کے خیالات میں تبدیلی آنے لگی، اور اس پر تصوف کی ایک گہری چھاپ پڑ گئی۔ اس نے سنسکرت زبان سیکھنے کے ساتھ ساتھ ہندو دھرم کی مقدس کتابوں کا مطالعہ بھی شروع کر دیا، بالخصوص اپنشدوں کا۔ اس کے ذہن میں اپنی عظمت کا احساس راسخ ہو گیا اور وہ یہ سمجھنے لگا کہ شنزادہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس پر فضل الہی بھی ہے۔

اس نے صوفیوں سے اپنے تعلقات بڑھائے، اور ان کی بے حد تعظیم کی، چنانچہ

وہ میاں میر کے پھینکے ہوئے لونگ چباتا، ان کے کمرے کی طرف ننگے پاؤں جاتا اور ان کے سامنے ہمیشہ نہایت مودب رہتا۔ ملاشاہ تو اس کے پیرو مرشد تھے۔ وہ اس پر مہربان تھے اور اسے بہت تواضع سے ملتے۔ سرمد کاشانی اور محب اللہ آبادی کے نام اس کے خطوط نہ صرف اس کے مطالعے کی وسعت اور نکتہ سنجی کے شاہد ہیں بلکہ اس کی سوچ کی عکاسی بھی کرتے ہیں اور اس کے فکر کی گہرائی کے غماز ہیں۔

داراشکوہ کی فنون لطیفہ میں دلچسپی مغل خاندان کی روایات میں سے ہے۔ وہ ایک شاعر تھا مگر اس کی شاعری بھی تصوف ہی کے گرد گھومتی رہی۔ وہ ایک نہایت اچھا خطاط تھا جسے نستعلیق اور نسخ دونوں میں مہارت تامہ تھی۔ مصوری کا شوق اسے ورثے میں ملا تھا۔ اس کا تیار کردہ تصویروں کا البم مغلیہ دور کے بہترین ثقافتی خزانوں میں سے ہے۔

داراشکوہ پتہ مار کر کام کرنے کا عادی تھا لیکن وہ ایک مخصوص نظریے کا حامل تھا۔ وحدت الوجودی ہونے کی وجہ سے وہ ہر بات کو اسی نظریے سے وابستہ کرتا تھا۔ اس کے مرشد ملاشاہ کو ساہا سال سے نیند نہیں آرہی تھی۔ خود ملاشاہ نے اس تمنا کا اظہار کیا کہ کاش مجھے چند گھڑی ہی نیند آجائے۔ لیکن داراشکوہ ان کی اس نعمت سے محرومی کی کوئی پروا نہیں کرتا بلکہ اپنے فلسفہ وحدت الوجود کے تحت اسے اللہ تعالیٰ کی صفات سے جا ملاتا ہے۔ وہ میاں میر کو مردے زندہ کرنے کی صلاحیت سے بھی بہرہ ور سمجھتا ہے۔ داراشکوہ میں یہ عادت بھی ہے کہ وہ قرآن کریم اور احادیث کی تشریح اپنی مرضی کے مطابق کر لیتا ہے۔ درحقیقت پنڈتوں، یوگیوں اور سنیا سیوں سے ملاقاتوں اور اپنشدوں اور ہندو علم الاضنام کے مطالعے کے بعد اس کی سوچ کا انداز بالکل بدل گیا تھا۔

داراشکوہ کی تصانیف کا تجزیہ کرنے سے یہ حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ اس کا ابتدائی مطالعہ مسلمان صوفیاء اور ان کے نقطہ نظر کے بارے میں تھا۔ اس میں دیگر مذاہب کے صوفیانہ رویوں کا مطالعہ شامل نہ تھا۔ سفیتہ الاولیاء، سکیتہ الاولیاء، رسالہ حق نما اور حسنت العارفین اس کے شاہد ہیں۔ صرف ”حسنت العارفین“ (1062ھ) میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ ایک ہندو بزرگ بابالال کی شطھیات کو نقل کرتا ہے۔ تاریخی طور پر اس

کی اگلی کتاب ”مجمع البحرین“ ہے۔ یہ کتاب 1065ھ میں لکھی گئی۔ اس میں داراشکوہ نے ہندو مذہب کے حوالے سے اپنے خیالات کا کھل کر اظہار کیا ہے۔ داراشکوہ کو اس بات کا احساس تھا کہ دونوں مذاہب کے بہت سے ماننے والے اس کے بے باک خیالات کا کوئی اچھا تاثر نہیں لیں گے۔ اس لئے اس نے اپنی کتاب میں یہ بھی لکھ دیا کہ میں نے یہ کتاب اپنے افراد خاندان کے لئے لکھی ہے، اور دونوں مذاہب کے عوام کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن اس نے یہ کتاب کسی کے لئے بھی لکھی ہو، ہے تو اسی کے خیالات کی نمائندہ۔ درحقیقت یہ کتاب اسلام اور ہندو دھرم کو ملانے کی ایک ناکام کوشش ہے۔ مصنف کے مطابق عناصر، خدا، روح، لا انتہا سے رابطہ، قیامت، کائنات، مکتی وغیرہ کا تصور، اسلام اور ہندو دھرم میں ایک ہی ہے۔ داراشکوہ اسلام اور ہندو دھرم کا تقابلی مطالعہ کرتا ہے اور اپنے خیال میں ان کے درمیان ہم آہنگی والے نکات کو سامنے لایا ہے۔ اس کتاب میں ہم نے تفصیلی جائزے سے یہ واضح کر دیا ہے کہ اسلام اور ہندو دھرم کے درمیان یک جہتی ثابت کرنے کے لئے اس نے اسلام کی وہ تشریح کی ہے جو قرآن اور حدیث سے ثابت نہیں ہے اور جسے کھینچ تان کر بھی اسلام سے ہم آہنگ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی تصانیف کے مطالعے کے بعد شدت سے یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ اپنے نظریات اپنشدوں سے مستعار لیتا ہے اور پھر یہ کوشش کرتا ہے کہ قرآن و حدیث کو بھی ان کے مطابق ثابت کرے۔

1065ھ کے بعد داراشکوہ کا زیادہ شوق ہندو دھرم کے مطالعے کا تھا۔ چنانچہ

1066ھ میں اس نے ”جوگ، شست“ کا فارسی میں ترجمہ کرایا۔ اس کے ایک سال بعد اس نے خود اپنشدوں کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ تقریباً اسی زمانے میں اس نے بھگوت گیتا کا خود ترجمہ کیا یا اپنے کسی درباری سے کرایا۔ داراشکوہ نے اس رائے کا اظہار بھی کیا ہے کہ وید الہامی کتابیں ہیں۔ مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق بہت سی الہامی کتابیں اتریں، لیکن اب وہ منسوخ ہو چکی ہیں۔ کیا وید بھی الہامی ہیں؟ اس بارے میں ہم کچھ کہہ نہیں سکتے کیونکہ قرآن نے جن چند الہامی کتابوں کے بارے میں ہمیں قطعی طور پر بتایا ہے ان

میں وید شامل نہیں۔ البتہ وید اپنی اصلی صورت میں اب موجود نہیں۔ ہاں، جو شخص مختلف مذاہب کے گہرے مطالعہ کا شوق رکھتا ہے وہ ان کتابوں سے مستفید ہو سکتا ہے۔

یہاں اس نکتہ پر غور کرنا بھی ضروری ہے کہ کیا داراشکوہ واقعی یہ سمجھتا تھا کہ اسلام اور ہندو مذہب ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں یا اس کی سوچ یہ تقاضا کر رہی تھی کہ ملکی سیاست کے لئے مذہبی معاملات میں اس قسم کی روش اختیار کی جائے کہ مسلمان اور ہندو دونوں اسے اپنا دوست سمجھیں۔ یعنی داراشکوہ کا ہندومت کی طرف رجحان، سیاسی مقصد کی وجہ سے تھا۔ تخت نشینی کی جنگ چھڑنے سے پہلے کے حالات یہ بتا رہے تھے کہ شاہجہاں کے بعد داراشکوہ ہی بادشاہت کا تاج اپنے سر پر رکھے گا۔ داراشکوہ کو اس پر مکمل یقین تھا۔ چنانچہ اس نے وہ روش اختیار کرنا چاہی جس سے مسلمان اور ہندو دونوں اسے اپنا رہنما تصور کریں۔ ہندو ہندوستان کی سب سے بڑی قوم تھے۔ اور داراشکوہ کے خیالات اور عمل کی بنا پر اس کے گرویدہ تھے۔ ان کا خیال تھا کہ جب داراشکوہ تخت نشین ہو گا تو انہیں پھر وہی اثر و رسوخ حاصل ہو جائے گا جو اکبر کے زمانے میں حاصل تھا۔ لیکن داراشکوہ کے قتل کے بعد، اورنگ زیب کے تخت نشین ہونے پر، ایسی تمام توقعات ختم ہو گئیں۔ داراشکوہ کا یہ خیال کہ مسلمان اس کی ہر قسم کی توجیہات کو برداشت کر لیں گے غلط ثابت ہوا۔ اس کے فکر و عمل کو الحاد اور کفر سمجھا گیا۔ مسلمان امراء اور عوام اس کے خلاف ہو گئے۔ مزید برآں اس کی زبان کے زخم خوردہ امراء دلوں میں بغض و کینہ لئے بیٹھے تھے جس کا اظہار انہوں نے میدان جنگ میں داراشکوہ کی فوج کا ایک حصہ ہوتے ہوئے بھی غیر جانبدار رہ کر یا اسے غلط مشورے دے کر کیا۔ اس پر طرہ یہ کہ داراشکوہ سیاسی جوڑ توڑ کی بجائے رعب و دبدبے سے کام لینے کا عادی تھا۔ یہ دبدبہ شاہجہاں کے دربار میں کام آئے تو آئے، میدان جنگ میں امراء کا دلی تعاون حاصل نہ کر سکا۔ یہ ساری باتیں مل کر اس کی شکست کا سبب بنیں۔

در حقیقت، نہ صرف اورنگ زیب بلکہ شاہجہاں کے مسلمان امراء بھی داراشکوہ کو اس قابل نہیں سمجھتے تھے کہ وہ شاہجہاں کے بعد بادشاہ بنے کیونکہ وہ ہندو مذہب

سے اتنا متاثر ہو چکا تھا کہ اس نے نماز، روزہ اور شریعت کی طرف سے عائد کردہ دیگر ضروری فرائض ترک کر دئے تھے (1)۔ اس کے افکار و اعمال سے یہ واضح ہو چکا تھا کہ اس کے تخت نشین ہونے پر اسلام کی نئی نئی تاویلیں ہوں گی، مسلمانوں کے اعتقادات پر ضرب لگائی جائے گی اور اکبر بادشاہ کا دور لوٹ آئے گا۔ بقول اقبال:

تخم الحادے کہ اکبر پرورید
باز اندر فطرت دارا دمید

اس میں کوئی شک نہیں کہ داراشکوہ کے بادشاہ بن جانے کی صورت میں ہندوستان میں اسلام کو ہندو مذہب کی ردا سے ڈھانپ دیا جاتا۔ یہ بات بہت دلچسپ ہے کہ ایک طرف تو داراشکوہ صوفی ہونے کا دعوے دار ہے اور دنیا سے لا تعلقی کا اظہار کرتا ہے مگر دوسری طرف وہ ہندوستان کی حکومت کا تاج اپنے سر پر رکھنے کے لئے پوری کوشش کر رہا ہے۔ ہمیں صوفیائے کرام کی پوری تاریخ میں ایک شخصیت بھی ایسی نہیں ملتی جس نے اقتدار حاصل کرنے کے لئے جنگ یا جدوجہد کی ہو۔ اس سے بھی اس نظریے کو تقویت ملتی ہے کہ داراشکوہ کا سارا کھیل سیاسی تھا۔ مشہور سیاح منوچی، جس نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ ہندوستان میں گزارا، کہتا ہے (2) کہ دارا کا کوئی مذہب نہ تھا، جس مذہب کے پیروکاروں سے اس کا رابطہ ہوتا سی مذہب کے بنیادی عقائد کی تعریف کر دیتا۔ اکبر بادشاہ کی طرح وہ مختلف مذاہب کے علماء کے درمیان مناظروں سے لطف اندوز ہوتا۔

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ داراشکوہ کی سوچ، اس کی تحریریں اور اس کا عمل، راسخ العقیدہ مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت تھے۔ چنانچہ اس کی تصانیف، خاص طور پر مجمع البحرین کی وجہ سے، اسے مرتد، ملحد اور بے دین قرار دیا گیا اور آخر کار اسی جرم میں اس کا سر قلم کر دیا گیا۔

حوالے

1- محمد کاظم: عالمگیر نامہ، بحوالہ

Elliot and Dawson, The History of India
as told by its own Historians,

Vol. 7, London 1877.

N.Manucci, Storia do Mogor. Engl.tr.-2

W.Irvine, London, 1906.



اشاریہ

(اس میں حوالہ جات اور حواشی کے صفحات شامل نہیں ہیں)

- آدم، حضرت 104
 آصف خاں 23
 ابن جوزی، علامہ 100
 ابن عربی (محمی الدین) 102-101'59'58'56
 ابوالاعلیٰ مودودی 105'67'60'58
 ابوالحسن نوری 33
 ابوالخیر مودودی 156
 ابوالفضل 156'92'91'7
 ابوالکلام آزاد 50'41'35-34
 ابوبکر عصری 33
 ابو جہل 53
 ابو حنیفہ 159'29
 ابوطالب کلیم 1
 احمد جام 34



- احمد علی سندیلوی 156
- ارجمند بانو (دیکھیں ممتاز محل)
- افضل الدین سرخوش 82
- افضل خاں 12'5
- اقبال علامہ 163'102
- اکبر 163'91'4
- الطاف احمد اعظمی 102
- امرنگھ 17
- اورنگ زیب 162'121-120'19-12'10-5'3-2
- ایتھے 156

ب

- بابالال 160'152'148'63
- بایزید سطای 34
- برنئے 106
- بشت 155
- بقلی 53
- بکراجیت حسرت 152'94'72
- بلاقی داس 152
- بھاڑا مل 7

پ

- پاک نہاد بانو 18

پر تھی پت 17
پرسی براؤن 92

ج

جائی (عبدالرحمن) 118'65
جسونت سنگھ 14
جعفر صادق 54
جنید بغدادی 100'33
جہانگیر 1-2-32'92'151
جہاں آرا 23'10
جیون 16
جے سنگھ 13

چ

چرنجی لال 152
چندر بھان 152'149'11'7
چیتن سوامی 148

ح

حلاج (حسین بن منصور) 101-100'84'5
حمید الدین خاں 5
حمیدہ بانو 19
حور نساء 23

خ

خرم 2,1

د

داراشکوہ 1-18-29-33-35-40-43-47-50-53-55
 57-59-60-63-72-81-84-88-89-92-94
 99-103-107-109-115-116-119-121
 148-152-154-157-159-163

دجال 53

ذ

ذیو پرون 106

ز

ذوالنون مصری 100

راجہ نریندر ناتھ 94

رام چندر 100-150-155

راون 150

رسول اکرمؐ 49-64-105

رسول اللہ 54-100

رضا جلالی نائینی 50'30

رضی دانش مشدی 10

ریو 156

ز

زبدۃ النساء 19

زین آبادی 8

زین العابدین 54

س

سپر شکوه 19-18'16

سرد کاشانی 160'116-115

سعد اللہ خاں 24'17'7-5'3

سلیمان شکوه 18-17'15'13

سنائی 159'30

سید میران بارہہ 5

سیوستانی 31

ش

شاہ جہاں 162'159'155'92-91'29'23'20'9'7'1

شاہ محمد لربا 118'115

شجاع 13-12'6'3-2

شوہنار 106

ظ

ظفر حسین 81-82

ع

عباس 16

عبدالرشید دہلوی 92

عبدالصمد 91

عبدالطیف 2

عبدالقادر جیلانی 29'48

عبدالکریم جیلی 50

عبدالله انصاری 54

عبدالمجید سالک 34

علاء الملک 5

علی مردان خاں 24'17'5

عیسیٰ، حضرت 101'53

غ

غلام سرور چشتی 18

غلام محمد 92

ف

فرعون 101'53

ق

قاسم خاں 14
قطب الدین کاکی 34

ک

کرشن 100
کریم النساء 2

گ

گاندمی 100
گوہر آراء 19

ل

لسان اللہ 131

م

مجدد الف ثانی 102
محب اللہ الہ آبادی 115-116-160
محفوظ الحق 47-81-93-156-157
محمد ^{علیہ السلام} حضرت 53-60
مراد بخش 3-6-9-12-15
مستعد خاں 18
معین الدین چشتی 1

ملاشاہ 31'37'38-48'49'57'59'82'115'119'120'

160-159

18 ممتاز شکوہ

3'2'1 ممتاز محل

163 منوچی

101'53'42'39 موسیٰ، حضرت

17 مہر شکوہ

31 میاں جیو

160'85'56'48'40'38'36-35'33-31'2 میاں میر

36 میاں نتھا

2 میرک شیخ

106 میکس ملر

ن

92'16'2 نادرہ بیگم

101 نوح، حضرت

23 نور جہاں

و

91 وسونت

99 ولی اللہ